نقش ثانی

(اودھ کے فارسی گو شعراء)

۱۷۲۱ء/۱۱۳۴ھ تا ۱۸۵۶ء/۱۲۷۳ھ

ڈاکٹر زہرہ فاروقی

© جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	نقش ثانی
مصنفہ	:	ڈاکٹر زہرہ فاروقی
طبع اول	:	۲۰۱۸ء
تعداد	:	۳۰۰
صفحات	:	۲۰۸
قیمت	:	250/- روپے
کمپوزنگ	:	خالد فیصل
ناشر	:	ڈاکٹر زہرہ خاتون D-178، ابوالفضل انکلیو-I جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ملنے کے پتے:

☆ نئی کتاب پبلشرز، اوکھلا مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی- ۱۱۰۰۲۵

☆ شعبۂ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی- ۱۱۰۰۲۵

☆ ۲۰/ضیاء لاج، پل پرہلادپور، اپوزٹ ہمدرد فلیٹس، نئی دہلی-۱۱۰۰۴۴

مطبع :

باسمہ تعالیٰ

ندا آمد کتابی را نگار و نقشِ ثانی کن
بآرا حرف و لفظ و جملہ گلزار معانی کن
اودھ را قند فارس نذر کردن چوں بنا کردی
کتابِ جاودانی کن قلم را کلکِ مانی کن

رضوان اللہ

انتساب

برادرِ محترم جناب **نیّر ضیاء صدیقی**

کے نام

جن کی ہمہ وقت توجہ اور موقع بموقع

مشوروں نے میری اس علمی کاوش کو

کتابی صورت عطا کی۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون		صفحہ
۱-	انتساب		۴
۲-	حرفِ آغاز		۱۱
۳-	فرمانروایانِ اودھ کے سوانحی خاکے		۱۷
۴-	اودھ کے علماء اور ان کی علمی خدمات		۲۵
۵-	اودھ کے فارسی گو شعراء		۴۹
	شعراء کے نام	**تخلص**	
۱-	سراج الدین علی خان آرزوؔ	آرزوؔ	۵۱
۲-	پنڈت بنی رام احقرؔ	احقرؔ	۵۷
۳-	سید احمد احمدیؔ بلگرامی	احمدیؔ	۵۸
۴-	میر سید لطف اللہ احمدیؔ	احمدیؔ	۶۰
۵-	مہاراج سکھ رام داس اخلاصؔ	اخلاصؔ	۶۲
۶-	شیخ غلام اسد اللہ اسدؔ	اسدؔ	۶۳
۷-	مظفر علی خاں اسیرؔ	اسیرؔ	۶۴
۸-	نواب امجد علی خان امجدؔ	امجدؔ	۶۶

۹-	میر محمد امین	امین	٦۷
۱۰-	میرزا محمد امین	امین	٦۹
۱۱-	محمد یحییٰ انصاف	انصاف	۷۰
۱۲-	لالہ بیج ناتھ انیس	انیس	۷۱
۱۳-	منشی نظیر حسین اوج	اوج	۷۲
۱۴-	احمد قلی خاں ایمن	ایمن	۷۴
۱۵-	باسط علی باسط	باسط	۷۵
۱٦-	حضرت خواجہ باسط	باسط	۷۷
۱۷-	میرزا بدیع	بدیع	۷۸
۱۸-	وجیہ الدین خان برین	برین	۷۹
۱۹-	امیر حسن بسمل	بسمل	۸۰
۲۰-	درگا پرساد بسمل	بسمل	۸۲
۲۱-	میرزا محمد شفیع بسمل	بسمل	۸۳
۲۲-	شیخ احسن اللہ بیتاب	بیتاب	۸۴
۲۳-	ابوالبرکات بینا	بینا	۸۵
۲۴-	میر عظیم ثبات	ثبات	۸۸
۲۵-	جوگل کشور ثروت	ثروت	۸۹
۲٦-	شیخ آیت اللہ ثنا	ثنا	۹۰
۲۷-	چیت سنگھ چیت	چیت	۹۲
۲۸-	شیخ کمال الدین حقیر	حقیر	۹۳
۲۹-	مولوی محمد عوض حکمت	حکمت	۹۴

۳۰- حافظ حلیم حلیمؔ	حلیمؔ	۹۶
۳۱- غلام حیدر خاں حیدرؔ	حیدرؔ	۹۸
۳۲- پنڈت بنارسی داس کشن نرائن حیرانؔ	حیرانؔ	۱۰۰
۳۳- میر خورشید علی خورشیدؔ	خورشیدؔ	۱۰۱
۳۴- میر افضل اللہ خوشترؔ	خوشترؔ	۱۰۳
۳۵- مرزا سلامت علی دبیرؔ	دبیرؔ	۱۰۵
۳۶- رائے دولت رام دولتؔ	دولتؔ	۱۰۸
۳۷- میر اولاد محمد خاں ذکاؔ بلگرامی	ذکاءؔ	۱۰۹
۳۸- محی الدین ذوقؔ	ذوقؔ	۱۱۱
۳۹- منشی بھگونت رائے راحتؔ	راحتؔ	۱۱۴
۴۰- بختاور سنگھ راقمؔ	راقمؔ	۱۱۵
۴۱- راجہ بھاگ مل رنجؔ	رنجؔ	۱۱۶
۴۲- رائے جے سکھ رائےؔ	رائےؔ	۱۱۷
۴۳- غلام مینا ساحرؔ	ساحرؔ	۱۱۸
۴۴- زاہد علی خاں سخاؔ	سخاؔ	۱۲۲
۴۵- لچھمی رام پنڈت سرورؔ	سرورؔ	۱۲۳
۴۶- سعید الدین خاں سعیدؔ	سعیدؔ	۱۲۵
۴۷- میرزا ابراہیم بیگ شررؔ	شررؔ	۱۲۷
۴۸- میرزا محمد رضا شکوہؔ	شکوہؔ	۱۲۸
۴۹- راجہ بھگوان سہائے شہیدؔ	شہیدؔ	۱۲۹
۵۰- جے جے رام صباؔ	صباؔ	۱۳۰

۵۱-	منشی گوبند لال صبا	صبا	۱۳۱
۵۲-	رائے بالک رام صبوری	صبوری	۱۳۳
۵۳-	رائے منولال صفا	صفا	۱۳۵
۵۴-	شیخ محمد طاہر	طاہر	۱۳۶
۵۵-	شیخ سیف الدین محمد طبیعت	طبیعت	۱۳۷
۵۶-	لالہ بینی پرشاد ظریف	ظریف	۱۳۸
۵۷-	پنڈت درگا پرساد عاشق	عاشق	۱۳۹
۵۸-	پنڈت شیوکشن ربّو عاشق	عاشق	۱۴۰
۵۹-	میرزا محمد تقی عاصی	عاصی	۱۴۱
۶۰-	میر محمدی عزت	عزت	۱۴۲
۶۱-	شباب رائے عزیز	عزیز	۱۴۳
۶۲-	محمد عسکری حسینی بلگرامی	عسکری	۱۴۴
۶۳-	آتمارام عشق	عشق	۱۴۶
۶۴-	میر حسن علوی	علوی	۱۴۷
۶۵-	جلال الدین غالب	غالب	۱۴۸
۶۶-	سید کرم اللہ غریب بلگرامی	غریب	۱۴۹
۶۷-	میر غضنفر حسین بلگرامی	غضنفر	۱۵۱
۶۸-	میرزا جان علی غمین	غمین	۱۵۳
۶۹-	خواجہ عبداللطیف خان غیرت	غیرت	۱۵۴
۷۰-	میرزا فاضل	فاضل	۱۵۵
۷۱-	سید محمد فدائی	فدائی	۱۵۶

۷۲- لالہ دین دیال فرحتؔ	فرحتؔ	۱۵۷
۷۳- سید اسداللہ فردؔ	فردؔ	۱۵۸
۷۴- پنڈت ودیادھر فصیحؔ	فصیحؔ	۱۵۹
۷۵- اشرف علی خاں فغاںؔ	فغاںؔ	۱۶۰
۷۶- میر نوازش علی فقیرؔ	فقیرؔ	۱۶۳
۷۷- منولال فلسفیؔ	فلسفیؔ	۱۶۶
۷۸- فیض بخش فیضؔ	فیضؔ	۱۶۷
۷۹- شیخ محمد قائم قائمؔ	قائمؔ	۱۶۹
۸۰- میر اسماعیل قربانؔ	قربانؔ	۱۷۰
۸۱- میرزا محمد علی کرمانیؔ	کرمانیؔ	۱۷۱
۸۲- حکیم عابد علی کوثرؔ	کوثرؔ	۱۷۲
۸۳- رائے میکولعل مستانہؔ	مستانہؔ	۱۷۳
۸۴- لالہ عوض رائے مسرتؔ	مسرتؔ	۱۷۵
۸۵- ملہار سنگھ مسکینؔ	مسکینؔ	۱۷۶
۸۶- بھوری سنگھ مشربؔ	مشربؔ	۱۷۷
۸۷- رائے سخی مل معنیؔ	معنیؔ	۱۷۸
۸۸- منشی کالکا پرساد موجدؔ	موجدؔ	۱۷۹
۸۹- مہتدی خان مہتدیؔ	مہتدیؔ	۱۸۱
۹۰- قاضی لطف علی خان ناطقؔ	ناطقؔ	۱۸۲
۹۱- نثار محمد خاں نثارؔ	نثارؔ	۱۸۴
۹۲- شیخ محمدی شاہ نصرتؔ	نصرتؔ	۱۸۵

۹۳- میرزا ابراہیم نورؔ	نورؔ	۱۸۶
۹۴- میر نورالدین نویدؔ	نویدؔ	۱۸۷
۹۵- میرزا محمد زمان واردؔ	واردؔ	۱۸۸
۹۶- میر نور علی واصلیؔ	واصلیؔ	۱۸۹
۹۷- علی قلی خاں والہؔ داغستانی	والہؔ	۱۹۰
۹۸- لالہ شیو کمار وفاؔ	وفاؔ	۱۹۵
۹۹- میر محمد علی وہمؔ	وہمؔ	۱۹۶
۱۰۰- محمد یوسفؔ بلگرامی	یوسفؔ	۱۹۷

۶- منابع و مآخذ ۱۹۹

(الف) کتابیات ۱۹۹

(ب) رسائل ۲۰۶

(ج) مائیکروفلم ۲۰۷

حرفِ آغاز

میری سابقہ تصنیف ''اودھ کے فارسی گو شعراء'' کی مقبولیت سے اس کی افادیت کے علاوہ یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ شمالی ہند کے خطۂ اودھ کی تہذیب اور نوابین اودھ کی ادب نوازی کا سحر آج تک شائقین ادب و ثقافت پر طاری ہے، اور جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے اس سے ان کی تسکین نہیں ہوئی بلکہ تشنگی باقی ہے۔ میری اس تصنیف کا جسے میں نے سابقہ تصنیف کی دوسری جلد قرار دیا ہے، اصل محرک میرا وہی احساس ہے کہ اربابِ ذوق کی خدمت میں نہاں خانۂ اودھ سے کچھ متاعِ ادب پیش کی جائے۔

صوبہ اودھ اور اس کے مردم خیز قصبات و قریات جیسے بلگرام، کاکوری، جائس، صفی پور، خیرآباد، نیوتنی اور قنوج وغیرہ اپنی علم دوستی، سخن وری، دانش جوئی، مذہبی رواداری اور علم و ادب کے میدان میں خاص شہرت و اہمیت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فیض آباد اور لکھنؤ جنھیں دارالحکومت کی حیثیت حاصل تھی، خصوصاً لکھنؤ اس دور میں مشرقی تہذیب و تمدن کی نمایاں مثال تھا یہ خطہ تمام صفات کا مرقع تھا، خواہ شعر و ادب ہو، مذہبی رسوم و روایات ہوں، سیاست ہو، صحافت ہو یا معاشرتی پہلو ہو، اس نے دنیا کو ایک نئی تہذیب سے روشناس کرایا۔ جو آج بھی لکھنوی تہذیب کے نام سے معروف ہے ان سب کا سہرا نوابین اودھ کے سر جاتا ہے جو

اصلاً ایرانی النسل تھے۔

ہندوستانی تہذیب کے سیاق وسباق میں اگر نوابین اودھ کا جائزہ لیا جائے تو یہ دورِ حکمرانی نہایت مختصر رہا، مگر نہایت عز ووقار اور شان وشکوہ کا دور تھا۔ خود انھوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد ڈالی جہاں اہل علم کی قدر روانی اولین فریضہ شمار کیا جاتا، دہلی اس زمانے میں برطانوی حکومت کے ہاتھوں رو بہ زوال تھی، چنانچہ اکثر و بیشتر اصحاب فن ذہنی سکون اور تلاشِ معاش کے لیے اودھ کی جانب متوجہ ہوئے، چنانچہ ایک وقت ایسا آیا کہ ادباء وشعراء کے علاوہ علماء، فضلاء، اطباء و دیگر اہلِ فن سے اودھ کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔

حکمرانانِ اودھ کا خاندانی تعلق چونکہ ایران سے تھا لہٰذا وہاں سے بھی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دور کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ بیرونِ ہند سے علماء و ادباء کی جو سب سے بڑی تعداد آئی، وہ ایران سے آئی۔ آنے جانے کا یہ سلسلہ ایرانی تہذیب وتمدن اور رسم ورواج بھی ساتھ لایا۔ اور یہاں کے نوابین نے اس تہذیب وثقافت کی سر پرستی میں کوئی کمی باقی نہ رہنے دی۔ جس کے نتیجے میں فارسی زبان وادب کو اودھ میں پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع ملا۔ اس وقت کے جتنے بھی ادباء وشعراء نظر آتے ہیں انہیں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان وادب پر بھی کامل دسترس حاصل ہوتی۔ چنانچہ نہ صرف نوابین اودھ بلکہ دیگر صاحب حیثیت امراء ورؤساء بھی اپنے حلقۂ ادب میں ان لوگوں کو عزت ووقار بخشتے جنہیں فارسی زبان پر بھی عبور حاصل ہوتا۔ اس طرح سرزمین اودھ کی فضاء فارسی زبان وادب کے فروغ کے لیے ہر طرح سے سازگار ثابت ہوئی۔

نوابین اودھ نے علم وادب کے میدان میں جس خصوصی توجہ اور دلچسپی کا اظہار کیا اور اہل علم وفن کی سر پرستی کی، اس کے پیش نظر ضروری تھا کہ ان کی ان خدمات کو بار بار سراہا جائے۔ اس کتاب میں جن شعراء کے احوال وکوائف پیش کیے گئے ہیں ان میں ایک بڑی تعداد مہاجر شعراء کی ہے جو نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصوں سے آئے بلکہ بیرون ملک

سے بھی آ کر دربار اودھ سے وابستہ ہوئے اور اپنے فن کی داد پائی۔ دہلی سے آنے والے مہاجر شعراء میں سرفہرست سراج الدین علی خاں آرزو ہیں جو میر کارواں کہے جا سکتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ان کے شاگردوں کی بھی ایک بڑی تعداد نے دہلی سے اودھ کی جانب رخ کیا۔ دوسرے بڑے شعراء میں اشرف علی خاں فغاں، مرزا جعفر حسرت، مرزا فاخر مکیں، انشاءاللہ خاں انشا، غلام ہمدانی مصحفی وغیرہ کے نام شامل ہیں جن کے اثرات سے اودھ میں شاعری کا ایک نیا دبستان قائم ہوا۔

انشاءاللہ خاں انشاء کا بیان ہے کہ

''دہلی کے جتنے صاحب سلیقہ مردوزن لکھنؤ میں آ گئے ہیں خود دہلی میں نہیں ہیں...... سپاہی ومصاحب پیشہ ولطیفہ گو، بذلہ سنج مطرب وقصہ خواں اس شہر میں سب دہلی سے آئے ہیں۔'' (دریائے لطافت)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''لکھنؤ دوسرے شہروں پر شرف اور ترجیح رکھتا ہے، اور دہلی کی جان ہے کیونکہ فصحاء سلیقہ شعار جو شہر کی جان ہوتے ہیں، سب یہاں جمع ہو گئے ہیں اور دہلی ایک بے روح جسم اور لکھنؤ اس کی جان ہے۔''

ایک دوسرے معروف شاعر غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرے ریاض الفصحاء کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کا سبب تصنیف کثرت شعرائے لکھنؤ ہے کہ دہلی کی آبادی اس کے پاسنگ کو نہیں پہنچتی۔''

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے ایک ہزار سال تک علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا جو سرمایہ اکٹھا کیا وہ سب کھنچ کر اودھ آ گیا اور اہلِ اودھ نے اس میں خاطر خواہ اضافہ بھی کیا اور ہر بات میں دہلی سے آگے بڑھتے گئے جس کا احساس اہلِ دہلی کو بھی ہوا۔ دہلی کی

لسانی اور تمدنی مرکزیت آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب دہلی والوں کو صوبہ اودھ کی برتری وفوقیت کو تسلیم کرنا پڑا۔ انشاء اللہ خاں انشآء لکھتے ہیں:

> ''دہلی میں ہر شخص کو فصاحت نصیب نہیں بلکہ گنتی کے لوگوں میں منحصر ہے جیسا کہ خود میرا تجربہ ہے کہ کوئی محلّہ فصیح آدمی سے خالی نہیں۔ کہیں دو کہیں تین کہیں چار فصیح موجود ہیں۔ ممکن ہے کوئی محلّہ خالی بھی ہو، لیکن......لکھنؤ شہر کا ہر محلّہ فصحاء کا محلّہ ہے، چند محلے ایسے ہیں جن کی در و دیوار سے فصاحت ٹپکتی ہے......تہذیب و تمدن میں بہتر اور فصیح تر ہیں۔'' (دریائے لطافت)

نواب غازی الدین حیدر کے عہد میں لیتھو کا چھاپہ خانہ مطبع سلطانی قائم کیا گیا جس کے نگراں آرچر صاحب معقول تنخواہ کے ساتھ مقرر کیے گئے۔ کہتے ہیں کہ اس چھاپہ خانے سے بے شمار کتابیں شائع ہوئیں۔ یہاں کی طباعت و کتابت کی شہرت سارے ہندوستان میں ہوئی کہ یہاں جیسی عمدہ کتابیں اور کہیں نہیں چھپتیں۔ مرزا غالبؔ اپنے کسی خط میں یہاں کی چھپائی اور کتابت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے، جس کا دیوان چھاپا اس کو آسمان پر چڑھا دیا، حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا......''

غرض کہ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہر فن میں اہلِ اودھ باکمال اور بے مثال نظر آئے۔ قارئین! یہ قصہ جتنا بیان کیا جائے گا اتنا ہی طویل ہوتا جائے گا، لہٰذا اس داستان بیکنار کو سمیٹتے ہوئے میں اپنے موضوع کی جانب واپس آنا چاہوں گی۔ جو کہ فارسی شعراء کے تذکرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب بات شعراء کی آتی ہے تو مختصراً اس دور کی شاعری کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہوں گی۔

شعر و شاعری میں نوابین اودھ کا پورا دور اگر چند جملوں میں بیان کرنا ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں اصناف شعر میں اولین درجہ غزل کو حاصل تھا۔ شعراء ہر طرح کی غزلیں کہتے کچھ قدماء کے رنگ میں ان کی پیروی کرتے نظر آتے تو کچھ موجودہ ماحول سے متاثر

ہو کر نئے طرز پر غزلیں کہتے۔ دوسرے نمبر پر قصیدہ تھا، اس عہد کے بیشتر شعراء نے نوابین اودھ کی شان میں قصائد کہے ہیں۔ اور طرح طرح سے صاحب حیثیت وثروت حکمرانوں کی شان میں مدح سرائیاں کیں ہیں۔ تیسرا اور سب سے اہم موضوع مرثیہ گوئی تھا، نوابین اودھ چونکہ اہلِ تشیع تھے، لہٰذا مذہبی رسوم وروایات بڑے اہتمام و انصرام سے انجام دی جاتیں۔ اور مرثیہ گوئی میں واقعات کربلا، بالخصوص امام حسینؑ کی شان میں مدح سرائی اور ان کی شہادت کے سلسلے میں تمام واقعات کا بیان کرنا اُس دور کی شاعری کے اہم ترین موضوعات تھے۔ مرثیہ کے بعد مثنوی اور رباعیات بھی اکثر و بیشتر شعراء کے کلام میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

اس تصنیف میں ان ایک سو فارسی گو شعرائے اودھ کا تعارف اور ان کے کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں جو سابقہ تصنیف میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ بالخصوص وہ شعراء ہیں جن کا مسکن و وطن و مولد تو کہیں اور تھا لیکن نوابین اودھ کے سایۂ عاطفت میں عرصۂ دراز تک ان کی علمی و ادبی سرگرمیاں جاری رہیں۔ مزید برآں اودھ کی تہذیب و ثقافت، علمائے اودھ نیز شعرا کے احوال وکوائف کا مختصر تذکرہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ دراصل ان خواص نے اس تصنیف کو ایک الگ کتاب کی حیثیت دے دی ہے تاہم قارئین کی دلچسپی اور تسلسل کے خیال سے اس تصنیف کو سابقہ کتاب کی دوسری جلد لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ گھر اور باہر دونوں ہی جگہ پر اپنے بزرگوں و استادوں کی رہنمائی اور بیش قیمت مشورے میری حوصلہ افزائی کا سبب ہوتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا حوصلہ بخش مرحلہ جامعہ میں میرے تدریسی امور و مقاصد کا استحکام پانا ہے۔ جس کے لیے میں سابق وائس چانسلر پروفیسر طلعت احمد اور فیکلٹی آف ہومنٹیز اینڈ لینگویجز کے ڈین پروفیسر وہاج الدین علوی کی تہِ دل سے ممنون ہوں۔ اس کے علاوہ شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے صدر پروفیسر عبدالحلیم، سابق صدر پروفیسر عراق رضا زیدی، پروفیسر محمد اقبال، پروفیسر قمر غفار و ڈاکٹر ادریس احمد (شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی) اور دیگر موقر اساتذہ و ہم کاران

عزیز کی بے حد مشکور ہوں جن کے وقتاً فوقتاً مشورے مجھ میں آگے بڑھنے اور متحرک رہنے کی تشویق پیدا کرتے ہیں، دوسرا ادارہ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ہے، جہاں اکثر و بیشتر ادبی محافل میں شرکت کے مواقع ملا کرتے ہیں۔ جو معلومات میں اضافے کا سبب ہوتے ہیں۔ وہیں ایک دوسرا مرکز نور مائیکروفلم سینٹر بھی ہے جہاں کے کارگزار استاد خواجہ پیری، جن کی سرپرستی میں میں نے بہت کچھ سیکھا، آج بھی مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا کرتے ہیں۔

دوسری جانب اپنے گھر میں والدہ محترمہ نجمہ خاتون اور والد محترم رضوان اللہ فاروقی کی بے حد ممنون ہوں، جن کی دعائیں شفقت اور سرپرستی الحمدللہ مجھے حاصل ہے، ان کے قیمتی مشورے آج بھی میرے لیے بہترین راہنما ثابت ہوتے ہیں، رفیق محترم عارف ضیاء صاحب کی بھی ممنون ہوں جن کا ساتھ اور نیک خواہشات ہر قدم پر مجھے حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور شخصیت ان کے برادر محترم نیر ضیاء صاحب کی ہے، جن کا خلوص اور پشت پناہی ہمہ وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے پر طبیعت کو آمادہ کرتی ہے، جن کے نام اس کتاب کا انتساب ایک ادنیٰ سا نذرانہ ہے۔ ساتھ ہی میری تمام بہنیں، میرے بچے اسجد ضیاء، احمد ضیاء، سبھی کی بے حد مشکور و ممنون ہوں۔ ناسپاسی ہوگی اگر خالد فیصل کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اس مسودے کو ٹائپنگ و کمپوزنگ کے دشوار گزار مرحلوں سے گزار کر کتابی صورت عطا کی۔

امید ہے کہ میری گزشتہ تصنیف ''اودھ کے فارسی گوشعراء'' کی طرح اس کتاب کو بھی قارئین کی نظر میں پذیرائی کا شرف حاصل ہوگا۔ اور اس راہ میں مزید منزلیں طے کرنے کے لیے حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔

زہرہ فاروقی
اکتوبر ۲۰۱۸ء

۲۰/ضیاء لاج، پل پرہلاد پور
نئی دہلی ۱۱۰۰۴۴

فرمانروایانِ اودھ کے سوانحی خاکے

ہندوستان دنیا بھر میں اپنی تہذیبی شناخت رکھتا ہے۔ اسی ہندوستان کا ایک چھوٹا سا خطۂ اودھ ہے، جو کسی زمانے میں مشرقی تہذیب وتمدن کا محور تھا۔ نوابین اودھ کی سرپرستی نے اس علاقے کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ بنگلہ (فیض آباد) سے علم و ادب کی جو شعائیں نکلنا شروع ہوئیں وہ لکھنؤ کے افق تک جا پہنچیں اور اودھ کے ذرہ ذرہ کو ایسی تابانی عطا فرمائی کہ جس نے تمام علاقے کو منور کر دیا۔

۱۳۴؍سال پر محیط دورِ نوابین اودھ کئی اعتبار سے ایک تاریخ ساز دور کہلاتا ہے جس میں سب سے قیمتی وہ تہذیب ہے جسے ہم لکھنوی تہذیب کے نام سے جانتے ہیں۔ اودھ کی اس تہذیب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی روایات کا حسین امتزاج نظر آئے گا جس میں ان دونوں فرقوں کے معاشرتی حالات نے گھل مل کر ایسی دلکش صورت اختیار کر لی تھی جو بعد میں گنگا جمنی تہذیب کے نام سے زبان زد خاص و عام ہوئی۔

تہذیب وتمدن کی اس میراث کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ شعرا اور مصنّفین کے علاوہ مورخین نے بھی طرح طرح سے اس دور کی عکاسی کی

ہے۔ انہی تحریروں سے مجھے بھی تحریک ملی کہ اس عظیم الشان دور کی کچھ اور نمایاں خصوصیات منظرِ عام پر لائی جائیں جس نے تھوڑے ہی عرصے میں ہندوستان بھر میں اپنی ایک منفرد حیثیت اور نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔

نوابین اودھ کا دور اٹھارہویں صدی عیسوی کے ربع اول سے شروع ہوکر انیسویں صدی کے وسط میں واجد علی شاہ کے انتزاعِ سلطنت پر ختم ہوتا ہے۔ اس دوران گیارہ فرمانرواؤں نے صوبۂ اودھ پر حکمرانی فرمائی۔ ابتدائی چھ حکمراں نواب وزیر کے لقب سے اور آخری پانچ بادشاہ اودھ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یوں تو سلاطین اودھ کی فہرست میں تیرہ فرمانرواؤں کے نام لیے جاتے ہیں لیکن شہرت صرف گیارہ صوبیداروں کے حصے میں آئی اور یہ وہ ہیں جنہیں صحیح معنوں میں اپنے دورِ اقتدار میں کچھ کر دکھانے کا موقع ملا۔ بقیہ دو نام جن میں ایک منا جان اور دوسرے مرزا برجیس قدر آتے ہیں۔ بیشتر مورخین نے سلاطین اودھ کی فہرست میں انہیں شامل کرنے سے گریز کیا ہے۔ سبب یہ ہے کہ منا جان کی حکومت محض چند گھنٹوں کی بتائی جاتی ہے جبکہ مرزا برجیس قدر آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد اراکین سلطنت کی مدد سے تختِ سلطنت پر بٹھائے گئے لیکن چونکہ انگریزوں کا اقتدار تھا، لہٰذا انھوں نے اس شاہزادے کی تاج پوشی کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

گیارہ فرمانرواؤں میں سرِ فہرست نواب سعادت خاں برہان الملک بہادر جنگ (۱۷۲۱-۱۷۳۹ء) ہیں جن کا خاندانی تعلق ایران کے صوبہ خراسان سے تھا۔ کچھ خاندانی رنجشوں کی وجہ سے دل برداشتہ ہوکر انھوں نے ہندوستان کی جانب رختِ سفر باندھا اور پھر عظیم آباد (پٹنہ) ہوتے ہوئے دہلی آگئے۔ دہلی میں اس وقت بادشاہ فرخ سیر کی حکومت تھی۔ یہاں نواب موصوف نے مختلف عہدوں پر فائز ہوتے ہوئے کئی مناصب بھی حاصل کیے اور بالآخر محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں خطاب کے ساتھ ساتھ اودھ کی صوبیداری بھی عطا ہوئی۔

صوبۂ اودھ کا پہلا ریاستی مرکز فیض آباد، بنگلہ کے نام سے مشہور ہوا جس کی بنیاد

نواب سعادت خان نے ڈالی چونکہ یہ نواب کی رہائش گاہ تھی لہٰذا عوام میں بنگلہ کے نام سے ہی مشہور ہوئی۔ یہاں کے دوسرے نواب صفدر جنگ کے عہد میں اس آبادی کا نام فیض آباد پڑا۔

نواب ابوالمنصور صفدر جنگ جن کا اصلی نام میرزا مقیم تھا۔ سابق نواب کے بھانجے اور داماد بھی تھے۔ چونکہ سعادت خاں کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی ایک بیٹی تھی جس کی شادی انھوں نے اپنے بھانجے سے کردی اور آگے چل کر یہی بھانجے نواب کے وارث قرار پائے۔

نواب صفدر جنگ نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں شہر فیض آباد کو کافی ترقی دی۔ ساتھ ہی بادشاہ دہلی کے حکم سے احمد شاہ ابدالی کا بھی مقابلہ کیا جس میں ابدالی کی شکست ہوئی اور صفدر جنگ کو وزارت حاصل ہوئی۔ ۱۷۵۴ء میں نواب کا انتقال ہوا۔ اور دہلی میں ایک شاندار مقبرہ تعمیر ہوا۔ جو آج بھی مقبرہ صفدر جنگ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نواب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے شجاع الدولہ نے صوبۂ اودھ کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس دور کے سیاسی حالات میں بھی بڑا خلفشار رہا۔ دو بڑی زبردست جنگیں ہوئیں جن میں پہلی پانی پت کی لڑائی تھی، اس جنگ میں احمد شاہ ابدالی، نجیب الدولہ اور خود نواب موصوف ایک طرف تھے اور دوسری جانب مرہٹہ فوج تھی، اس جنگ میں مرہٹوں کی ہار ہوئی اور ان کی طاقت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئی۔ دوسری خونریز جنگ بکسر کے مقام پر ہوئی، اس میں مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی (جلال الدین محمد) کے ساتھ مل کر نواب نے انگریزوں کا مقابلہ کیا، لیکن افسوس کہ اس مقابلے میں انگریز فتح یاب ہوئے اور ان کی اس فتح کا اثر یہ ہوا کہ وہ اودھ کے تمام علاقے پر پوری طرح قابض ہوگئے۔ اس ضمن میں ایک صلح نامہ تیار ہوا(۱) جس کی رو سے کانپور، فتح پور اور الٰہ آباد کے علاقے کمپنی نے اپنی دسترس میں لے لیے اور بقیہ حصہ نواب شجاع الدولہ کو واپس کردیا۔ ساتھ ہی پچاس لاکھ روپیہ جنگ کا ہرجانہ بھی نواب کے حصے میں آیا۔ کمپنی نے نواب کو فوجی تحفظ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اور فوج کا خرچ نواب

کے ذمہ کیا۔

۱۷۷۵ء میں نواب شجا الدولہ کے انتقال کے بعد بیٹے نواب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے۔ آصف الدولہ کا عہد کئی معنوں میں تاریخ ساز دور کہلاتا ہے، سب سے پہلے تو نواب نے فیض آباد کی رہائش چھوڑ کر لکھنؤ کو مرکزی حیثیت دی اور اس شہر کو مستقل طور پر اپنا مسکن بنایا۔ لیکن کمپنی اور اس کے اہلکاروں نے یہاں بھی دخل اندازی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور صلح نامہ کی شرائط میں ردّوبدل کرتے رہے۔ اس سلسلے میں عبدالحلیم شرر کا بیان ملاحظہ ہو:

> ''بکسر کا میدان جیتنے کے بعد انگریزوں نے دربارِ اودھ میں دخل اندازی کے بہت سے حقوق حاصل کر لیے تھے۔ جن کی بناء پر یہاں فوجی ترقیوں کی روک ٹوک کی جاتی اور ہمیشہ غائر نظر سے اس بات کی نگرانی کی جاتی کہ حکومت اودھ کو پھر ایسی قوت نہ حاصل ہونے پائے کہ اس کی فوجیں دوبارہ انگریزی لشکر کے سامنے صف آرا ہو سکیں۔'' (گزشتہ لکھنؤ، ص ۶۹)

لہٰذا اس دور میں دیگر علوم وفنون نے کافی ترقی کی، مگر سیاسی حالات کچھ اچھے نہیں رہے۔ کمپنی کی مانگیں روز بروز بڑھتی جارہی تھیں، جبکہ آمدنی کے ذرائع محدود تھے۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ نواب بے حد فیاض تھے۔ ان کی سخاوت کے چرچے تمام ہندوستان میں تھے۔ اور دوسرے یہ کہ فن تعمیر سے خاص لگاؤ تھا۔ لکھنؤ کا آصفی امام باڑہ، رومی دروازہ اور دوسری تاریخی عمارات آج بھی نواب کے حسنِ تعمیر کی گواہ ہیں۔

۱۷۹۷ء میں نواب کے انتقال کے بعد ان کے منہ بولے بیٹے وزیر علی خاں چند ماہ کے لیے تخت نشین ہوئے۔ یہ کافی دلیر اور بہادر تھے چنانچہ کمپنی نے بہت جلد ان کی قوتِ پرواز کا اندازہ لگالیا اور معزول کر کے بنارس بھیج دیا، جہاں ۱۸۱۷ء میں بحالت قید ان کا انتقال ہوگیا۔[۲]

نواب آصف کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، لہٰذا ۱۷۹۸ء میں انگریزوں نے ان کے

سوتیلے بھائی نواب سعادت علی خاں کو تخت نشین کرادیا۔اور بدلے میں نصف اودھ پر قابض ہوگئے۔ جس میں بعلاوہ روہیلکھنڈ، فرخ آباد، مین پوری، ایٹہ، اٹاوہ، بریلی، مرادآباد، بجنور، بدایوں، شاہجہانپور کے اضلاع، فتح پور، کانپور،بستی، گورکھپور، غازی پوراوراعظم گڑھ وغیرہ کے اضلاع شامل تھے۔

۱۸۰۱ء میں ایک عہد نامہ تیار ہوا جس کی رو سے نواب کے زیرِ اقتدار کچھ اور علاقوں پر کمپنی قابض ہوگئی، ان میں مشرق میں جونپور سے سلطانپور، مغرب میں لکھیم پور، کھیری اور شاہ آباد وغیرہ کے حصے شامل تھے، جبکہ جنوب میں دریائے جمنا سے سمٹ کر دریائے گنگا تک اودھ کا دائرہ کار رہا۔ البتہ شمالی سرحدیں ہنوز نیپال سے ملحق رہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کمپنی نے اپنی فوج میں بھی اضافہ کیا اور اس کے تمام مصارف کی ذمہ داری نواب کے سپرد کی گئی۔۱۸۱۴ء میں نواب کا انتقال ہوا اور ان کے بیٹے غازی الدین حیدر تخت نشین ہوئے۔

۱۸۱۹ء میں کمپنی نے غازی الدین حیدر کو بادشاہ کے لقب سے نوازا۔(۳) یہ بھی ایک سیاسی چال تھی۔ کیونکہ بادشاہ کا لقب اس سے پہلے صرف دہلی کے شہنشاہ کو حاصل تھا۔ نواب اسی میں خوش تھے کہ انہیں بادشاہ کا لقب مل گیا اور کمپنی نے اس بہانے کروڑوں روپیہ وصول کرڈالا۔ ساتھ ہی مغلیہ سلطنت کے وقار کو بھی زبردست ٹھیس پہنچائی۔ ۱۸۲۷ء میں غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نصیرالدین حیدر تخت نشین ہوئے۔

نصیرالدین حیدر کا دور آتے آتے تمام اندرونی و بیرونی معاملات کی مختارِکل کمپنی ہوچکی تھی۔ چنانچہ اب اودھ کے حکمرانوں کے پاس سکون اور عیش وعشرت کے ساتھ وقت گزارنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہ تھا۔(۴) کہا جاتا ہے کہ دس سالہ دورانِ حکومت میں نصیرالدین حیدر نے دس کروڑ روپیہ شاہی مصارف میں خرچ کرڈالا۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۳۷ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی چنانچہ ان کی

والدہ نے مرزا فریدون بخش عرف منا جان کو تخت نشین کرانا چاہا لیکن کمپنی نے تسلیم نہیں کیا، اور گزشتہ نواب سعادت علی خاں کے تیسرے بیٹے محمد علی شاہ کو حکمراں بنایا، جو سابق نواب کے حقیقی چچا تھے۔

محمد علی شاہ کے عہد میں نئے معاہدے کی رو سے کمپنی نے فوج کی تعداد میں بھاری اضافہ کرتے ہوئے نواب کی ذمہ داریاں اور بڑھا دیں۔ محمد علی شاہ عمر کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی رکھتے تھے بادلِ ناخواستہ انھوں نے ان ذمہ داریوں کو قبول کیا اور حتی الامکان یہاں کی بدنظمیوں کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ پانچ سال حکومتی امور انجام دینے کے بعد ۱۸۴۲ء میں انتقال فرمایا۔[۵]

ان کی وفات کے بعد بڑے بیٹے امجد علی شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔ ان کے دور میں کوئی نامناسب واقعہ پیش نہیں آیا اس طرح پانچ سال سکون کے ساتھ گزر گئے حالات حسبِ سابق بدستور تھے۔ ۱۸۴۷ء میں نواب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے واجد علی شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

واجد علی شاہ کا عہد آتے آتے کمپنی کا اقتدار رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر قائم ہو چکا تھا۔ اودھ کی روز بروز بڑھتی ہوئی زبوں حالی اور بدانتظامی سے وہاں کے گورنر جنرل اور ریذیڈنٹ بھی بخوبی واقف تھے اور ان تمام بے راہ رویوں کے لیے وہ نواب کو ہی مورد الزام قرار دیتے۔ اسی دوران گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ (Lord Harding) کا لکھنؤ آنا ہوا اور انھوں نے بادشاہ کو خبردار بھی کیا۔ ۱۸۴۹ء میں کرنل سلیمین (Col. Sleeman) نے تقریباً تین ماہ کی مدت کے دوران پورے صوبے کا دورہ کیا[۶] اور رپورٹ تیار کی جس میں بادشاہ کی معزولی کے لیے معقول ثبوت اکٹھا کیے۔ اور یہ بات قطعیت کے ساتھ طے ہوگئی کہ صوبہ اودھ اب انگریزوں کی دسترس میں رہے گا۔ اور اس پر باقاعدہ مہر ۱۸۵۶ء میں Lord Dalhousie نے ثبت کردی۔ صفدر حسین کی تحریر کے مطابق:

''حسبِ ارشادات گورنر جنرل یکم دسمبر ۱۸۴۹ء میں کرنل سلیمین (رزیڈنٹ) ملک اودھ کے خصوصی دورے پر روانہ ہوا تا کہ اودھ کی ضبطی کے لیے کچھ تاویلیں فراہم کر سکے۔ رزیڈنٹ کا یہ دورہ اس کے اختیارات کی حدود سے سراسر متجاوز تھا۔''(۷)

بادشاہ واجد علی کو معزول کر کے وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ وہ بد دل ہو کر لکھنؤ سے کلکتہ روانہ ہوئے تا کہ وہاں سے لندن جا کر ملکۂ انگلستان کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر سکیں مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آگے سفر نہیں کر سکے اور عمر کا بقیہ حصہ کلکتہ میں گزارا۔ اسی دوران غدر کا ہنگامہ شروع ہو گیا جس نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ واجد علی شاہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں ۱۸۵۹ء تک قید رہے۔ اس دوران اودھ کے راجاؤں و زمینداروں نے بادشاہ کے کم سن بیٹے برجیس قدر کو تخت نشین کرا کے انگریزوں سے مقابلہ کرنا چاہا، لیکن سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کمپنی کی فوجوں نے پوری طرح تمام اودھ پر اپنا قبضہ جما لیا اور میرزا برجیس قدر کو مع ان کی والدہ بیگم حضرت محل کے نیپال روانہ کر دیا۔(۸) جہاں ۱۸۷۹ء میں بیگم حضرت محل کا انتقال ہوا۔ برجیس قدر البتہ کلکتہ واپس آ گئے اور کچھ عرصے بعد ان کی بھی وفات ہو گئی۔

واجد علی شاہ نے بھی اپنی عمر کا آخری حصہ کلکتہ میں گزار کر وہیں مٹیا برج میں انتقال فرمایا اور اس طرح نوابین اودھ کے ۱۳۹/سالہ دورِ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

حوالہ جات:

(۱) تاریخِ ہند،ص۳۷۰
(۲) سوانحات سلاطین اودھ،ص۶
(۳) تاریخِ اودھ، جلد۳،ص۶۱
(۴) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، شباب لکھنؤ مترجم احمد علی۔
(۵) سوانحات سلاطین اودھ،ص۹
(۶) لکھنؤ کی تہذیبی میراث،ص۹۱
(۷) حوالۂ سابق
(۸) گذشتہ لکھنؤ،ص۱۲۱

اودھ کے علماء اوران کی علمی خدمات

ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون کی گوناگوں خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے مراکز ملک کے بڑے بڑے شہروں ہی تک محدود نہ رہے بلکہ بہت سے قصبات کو بھی ان کے مراکز ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ چنانچہ علم وادب کے ایسے گہواروں میں شمالی ہند کے صوبہ اودھ کا نام سرفہرست ہے جہاں لکھنؤ، جونپور اور فیض آباد جیسے شہروں کے علاوہ جنھیں علومِ اسلامی کے مراکز کے طور پر اولیت حاصل تھی، بلگرام، کاکوری، ہرگام، خیرآباد، جائس، نیوتنی، گوپامئو اور امیٹھی جیسے قصبات بھی تھے۔

مشاہیر علماء اور صوفیاء ومشائخ جو سرزمین اودھ سے وابستہ رہے ان میں شیخ محمود اودھی چراغ دہلوی، مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی، شیخ عبدالحق رودولوی، ملا محمود جونپوری، ملا جیون امیٹھوی، ملا مبارک گوپامئوی، ملا محبّ اللہ الہ آبادی، ملا نظام الدین سہالوی اور ملاّ عبدالعلی بحرالعلوم جیسی چیدہ اور نامور ہستیاں شامل ہیں۔ ان علماء ومشائخ کی صحبت تعلیم و تلقین، رشد وہدایات اور درس وتدریس نے عوام وخواص میں ایک نیا مذہبی جوش پیدا کیا۔

دہلی میں جس وقت مغلیہ سلطنت زوال کی منزلوں سے گزر رہی تھی، اودھ کے اس چھوٹے سے خطے میں تہذیب وتمدن بامِ عروج پر تھا۔ یہاں کے پہلے فرمانروا نواب سعادت

خاں سے لے کر واجد علی شاہ تک کل گیارہ فرمانرواں یکے بعد دیگرے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ درج ذیل سطور میں بالترتیب نوابین اودھ کے دور کے مشاہیر علماء وصوفیا کا مختصر تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔ بالخصوص ان حضرات کو شامل کیا گیا ہے جو صاحبِ تصنیف تھے۔

۱-سید عبدالجلیل بلگرامی:

سید عبدالجلیل بلگرامی کی پیدائش ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۱ء) میں بلگرام میں ہوئی۔ علوم عقلی ونقلی مولانا غلام نقشبندی سے حاصل کیے۔ سند حدیث سید مبارک محدث بلگرامی (شاگرد شیخ نورالحق) سے حاصل کی۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبان پر ملکہ حاصل تھا۔ اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہوئے۔

اورنگ زیب کے عہد سے فرخ سیر کے زمانے تک شاہانِ دہلی کی طرف سے بخش گیری اور وقائع نویسی کے عہدہ پر سرفراز رہے۔ ۱۱۳۸ھ (۱۷۲۵ء) میں دہلی میں وفات پائی۔ (۱) اپنے وطن بلگرام میں دفن کیے گئے۔

۲-شیخ علی اصغر قنوّجی:

شیخ علی اصغر قنوجی بن عبدالصمد ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ء) میں قنوج میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش و پرداخت ہوئی۔ ملا محمد حسین قنوجی، ملا عصمت اللہ سہارنپوری اور ملا محمد زماں کاکوروی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا لطف اللہ کاکوروی سے فاتحۃ الفراغ پڑھی۔ علومِ نقلیہ وعقلیہ کی جامع تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کے مشہور صوفی شاہ پیر محمد بن اولیاء چشتی کی خدمت میں رہ کر ان سے روحانی اکتساب کیا۔ بیعت اور اجازتِ خلافت حاصل کی۔ اس کے بعد قنوج آکر درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ساٹھ سال تک یہ سلسلۂ فیض جاری رہا۔ ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ء) میں قنوج میں وفات پائی۔ (۲)

۳-شیخ یحییٰ بن امین عباسی:

شیخ یحییٰ معروف بہ خوب اللہ الہ آبادی ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ء) میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ تحصیلِ علوم اپنے چچا شیخ محمد افضل بن عبدالرحمٰن عباسی (متوفی ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) سے کیا۔ ان ہی سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ شیخ کی وفات کے بعد انہی کے جانشین ہوئے۔ تصنیفات میں متعدد عربی و فارسی کے رسائل و کتابیں یادگار ہیں۔ ۱۱۴۴ھ (۱۷۳۱ء) میں الہ آباد میں وفات پائی۔ (۳)

۴-مولوی حمیداللہ سندیلوی:

مولوی حمیداللہ سندیلوی ولد حکیم شکراللہ ولد شیخ دانیال عالم، عامل اور طبیب تھے۔ قصبہ سندیلہ میں ایک بڑا مدرسہ جاری کیا، نواب صوبۂ اودھ صفدر جنگ نے انھیں دستار بدل بھائی بنایا تھا۔ ان کے دامنِ فیض سے بے شمار علماء وفضلاء تربیت پا کر نکلے۔ ان کی وفات ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ء) میں دہلی میں ہوئی۔ (۴) مشہور تصنیفات میں شرح تصدیقات سلم العلوم معروف بہ حمداللہ حاشیہ شمس بازغہ، حاشیہ صدرا شرح زبدۃ الاصول عامل وغیرہ ہیں۔

۵- سید اسماعیل بلگرامی:

سید اسماعیل بلگرامی بن سید ابراہیم نے میر طفیل محمد بلگرامی سے تحصیل علم کیا پھر شیخ عبدالرزاق بانسوی سے بیعت وخلافت حاصل کی۔ ۱۱۴۶ھ (۵۰-۱۷۵۱ء) میں انتقال ہوا۔ (۵)

۶-ملا نظام الدین سہالوی:

نظام الدین، ملا قطب الدین شہید سہالوی کے تیسرے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی شہادت ۱۱۰۳ھ (۹۲-۱۶۹۱ء) کے بعد حافظ امان اللہ بنارسی اور مولوی قطب الدین شمس آبادی سے حصول علم کیا۔ ''تذکرۂ علمائے ہند'' کے مطابق وہ مولانا شہید کے بیٹوں میں وحید

عصر فرید دہر اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔(۶) دور دراز سے طلبہ ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آتے۔ یہ شاہ عبدالرزاق بانسوی کے مرید تھے۔ شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ ۱۱۶۱ھ (۴۸-۱۷۴۷ء) میں وفات پائی۔(۷) تصنیفات میں شرح مسلم الثبوت، شرح تحریر الاصول لابن الہام صبح صادق، شرح منارالاصول، مناقب رزاقیہ وغیرہ اہم ہیں۔(۸)

۷- سید محمد بلگرامی:

سید محمد بلگرامی ابن سید عبدالجلیل الحسینی الواسطی نے تحصیلِ علم اپنے والد سے کیا۔ ۱۱۸۵ھ (۷۱-۱۷۷۲ء) میں وفات پائی اور بلگرام میں دفن ہوئے۔(۹) الجزاء الاشرف من المستظرف (منتخب کتاب مستظرف) ان کی تالیف ہے۔

۸- مولوی عبدالوالی فرنگی محلی:

تحصیل علم کے بعد اپنے نانا ملا انوارالحق سے بیعت ہوئے۔ تمام عمر عبادت و ریاضت میں بسر کی۔ ۱۱۷۹ھ (۱۷۶۳ء) میں نوے سال کی عمر پا کر وفات ہوئی۔(۱۰)

۹- ملا کمال الدین سہالوی:

ملا نظام الدین بن قطب شہید کے شاگردوں میں تھے ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ مثال کے طور پر شرح کبریت احمر، حاشیہ کمالیہ، شرح عقائد جلالیہ وغیرہ مشہور ہوئیں۔ ۱۱۷۵ھ (۶۱-۱۷۶۲ء) میں انتقال ہوا۔(۱۱)

۱۰- سید محمد یوسف بلگرامی:

محمد یوسف بلگرامی ابن سید محمد اشرف الحسینی الواسطی بلگرامی سید عبدالجلیل کے نواسے تھے۔ عقلی و نقلی علوم کے جامع اور فروع و اصول کے عالم تھے۔ ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۵ء) میں پیدا ہوئے۔ درسی کتابیں سید علی محمد ریاضیہ دہلی سے پڑھیں۔ سید لطف اللہ بلگرامی سے

بیعت ہوئے۔موزوں طبع بھی تھے۔عربی وفارسی میں اشعار کہتے تھے۔ان کی اعلیٰ تصنیفات میں ''الفرع النابت من الاصل الثابت'' ہے۔۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ء) میں انتقال ہوا۔(۱۲)

۱۱-احمد عبدالحق بن ملا سعید:

ان کی ولادت ان کے دادا ملا قطب الدین سہالوی کی شہادت کے دن ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۲ء) میں ہوئی۔اپنے چچا ملا نظام الدین سے تعلیم حاصل کی اور درس وافتاء کا کام شروع کردیا۔ان کی بیشتر تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ ۹/ذی الحجہ ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۴ء) میں وفات پائی۔(۱۳)

۱۲-مولانا عبدالعزیز بن محمد سعید بن قطب الدین:

آپ بڑے پائے کے عالم تھے سید اسماعیل بلگرامی سے تعلیم پائی۔ ۹/ذی الحجہ ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ء) میں وفات ہوئی۔

۱۳-مولانا فضل اللہ سندیلوی لکھنوی:

مولانا فضل اللہ بن شاہ غلام علاء الدین سندیلوی کے مخدوم زادے تھے۔شروع میں مولوی زین العابدین سندیلوی سے تحصیل علم کیا اور تکمیل گوپا مئو کے مشہور عالموں کے درمیان ہوئی۔اپنے والد کے مرید وسجادہ نشین تھے۔ ہمہ وقت طلبہ کے ارشاد و ہدایت میں مشغول رہتے۔ بارہویں صدی ھ کے آخر (۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء) میں فوت ہوئے قصبہ سندیلہ میں کریم باغ کے مقبرہ میں اپنے والد کے روضہ کے اندر دفن ہوئے۔(۱۴)

۱۴-سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی:

۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔(۱۵) ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی اس کے بعد سندیلہ پہنچے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔اس کے بعد خیرآباد، الہ آباد ہوتے ہوئے دہلی آئے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حلقۂ شاگردی میں داخل

ہوئے۔۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ء) میں حجاز کا سفر کیا اور وہاں سے زبید گئے اور آخری عمر تک وہیں رہ گئے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ یہ سبھی عربی زبان میں ہیں۔ ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) میں قاہرہ میں وفات پائی۔ (۱۶)

۱۵- ملا عبدالعلی بحرالعلوم:

ملا عبدالعلی بحرالعلوم ابن ملا نظام الدین، بن ملا قطب الدین شہید سہالوی کی پیدائش ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ء) میں لکھنؤ میں ہوئی۔ (۱۷) بانی درس نظامی ملا نظام الدین سہالوی کے بعد سب سے زیادہ نمایاں حیثیت انہی کو حاصل ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ملا نظام الدین سے حاصل کی۔ (۱۸) سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا تو انھوں نے اپنے والد کے خاص شاگرد ملا کمال الدین سے استفادہ کیا۔ تقریباً دس سال تک اپنے والد کی جگہ درس دیتے رہے۔ اس کے بعد شاہجہاں پور چلے گئے اور اس شہر کے رئیس حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے پاس کم وبیش بیس سال تک رہے اور طلبہ کو درس دیتے رہے۔ حافظ الملک کی وفات کے بعد نواب فیض اللہ خاں والئ رامپور کی استدعا پر رامپور تشریف لے گئے۔ چار سال قیام کے بعد بوہار ضلع بردوان کے علم پرور رئیس منشی صدرالدین کے یہاں چلے گئے۔ اس کے بعد کچھ اندرونی رنجشوں کی بنا پر انھیں مدراس جانا پڑا۔ کرناٹک کے نواب جان محمد علی خاں نے مولانا کا پرجوش استقبال کیا اور بڑے اعزاز کے ساتھ اپنے محل میں لے گئے۔ نواب موصوف کی سرکار سے مولانا کو ''بحرالعلوم'' کا خطاب عطا کیا گیا۔ (۱۹) نواب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عمدۃ الامراء اور ان کے بعد عظیم الدولہ (نبیرۂ محمد علی) مسند ریاست پر بیٹھے۔ مولانا کی عمر اس وقت تک ۸۳ سال کی ہوچکی تھی۔ مولانا نے ۱۲۳۵ھ (۱۸۲۰ء) میں وفات پائی اور مدراس میں مسجد والا جاہی میں دفن ہوئے۔ (۲۰) ان کی تمام تصنیفات عربی میں ہیں جن میں اہم ترین ارکان اربعہ (اصول

فقہ) حاشیہ برمیر زاہد رسالہ، حاشیہ برحاشیہ زاہدیہ برشرح تہذیب جلالیہ، حواشی ثلاثہ برحاشیہ زاہدیہ (امور عامہ جدیدہ وقدیمہ) شرح سلم معہ حاشیہ منہیہ، عجالہ نابغہ منہیہ، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، تکملہ برشرح ملا نظام الدین برتحریر بن ہمام، تنویرالابصار شرح فارسی منار، حاشیہ برشرح صدرای شیرازی، شرح مثنوی مولانا روم، شرح فقہ اکبر ہدایۃ الصرف، رسالہ دراحوال قیامت رسالہ توحید وغیرہ۔ (۲۱)

۱۶- ملا مبین بن ملا محبّ اللہ لکھنوی:

آپ ملا حسن شارح سلم العلوم کے شاگرد تھے۔ (۲۲) تذکرۂ علمائے ہند کے الفاظ میں:

> ''علوم عقلی ونقلی کے عالم، رموز خفی وجلی سے واقف اور جودت ذہن وذکاء وطلاقت میں مشہور تھے۔ ان کی تصنیفات میں شرح سلم، شرح سلم الثبوت، حاشیہ میر زاہد رسالہ، حاشیہ میر زاہد ملا جلال، حاشیہ میر زاہد شرح مواقف، وسیلۃ النجاۃ (حالات اہل بیت) ترجمہ حکایات الصالحین، شرح اسماء حسنیٰ، شرح تبصرہ (تصوف) زبدۃ الفوائد (بیان سحر رمضان) کنز الحسنات فی ایتاء الزکوٰۃ وغیرہ ہیں۔'' (۲۳)

آپ کا انتقال ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں ہوا۔ (۲۴) انھوں نے تصنیف وتالیف کے علاوہ وعظ وتذکیر کے میدان میں بھی شہرت پائی۔ ایک روایت کے مطابق شیخ قطب الدین کی اولاد میں یہ پہلے عالمِ دین تھے جنھوں نے لکھنؤ کے فرنگی محل کو مرکز بنا کر تذکیر وموعظت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ (۲۵) غرض کہ ملا مبین تیرہویں صدی ھ کے جید عالم اور ممتاز فقیہ تھے۔

۱۷- شیخ احمد بن یعقوب:

آپ کا تعلق بھی فرنگی محل سے تھا۔ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ نواب سعادت علی کے عہد میں قضا وافتاء کا عہدہ آپ کے سپرد تھا۔ تصنیفی کام کا موقع کم مل سکا اس لیے کوئی نمایاں

کام منظرِ عام پر نہ آسکا۔ درسی کتابوں پر حاشیہ اور فتوے کے چند رسالے آپ کی یادگار ہیں۔[۲۶]

۱۸-سید امام الدین لکھنوی:

آپ کا شمار اس عہد کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ انگریزوں کے ساتھ آپ کے خصوصی تعلقات تھے۔۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں یورپ کا سفر کیا۔ احمد شاہ درّانی کے حالات پر ایک کتاب بھی تصنیف کی، سنہ تصنیف ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ء) ہے۔[۲۷]

۱۹-مولانا عبدالنافع لکھنوی:

آپ علامہ بحرالعلوم کے صاحبزادے تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔[۲۸] ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی اس کے بعد شاہجہانپور چلے گئے اور اپنے والد سے تمام درسی کتابیں پڑھیں پھر لکھنؤ واپس آ گئے۔ کچھ دن لکھنؤ میں درس و تدریس کے بعد واپس اپنے والد کے پاس مدراس چلے گئے اور وہیں ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں انتقال کیا۔ آپ کی تصانیف کا صحیح پتہ نہ چل سکا۔

۲۰-مولانا محمد مخدوم لکھنوی:

آپ کے والد کا نام محمد نواز تھا۔ آپ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔[۲۹] شیخ یعقوب سے درسی کتابیں پڑھنے کے بعد دہلی آئے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لکھنؤ واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ کی ذات سے قرآن و حدیث کے درس کو لکھنؤ میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ء) میں وفات پائی۔[۳۰]

۲۱-علامہ تفضّل حسین خاں:

مولوی تفضّل حسین خاں ''خان علامہ''[۳۱] کے عرف سے مشہور تھے، سیال کوٹ

میں پیدا ہوئے، دہلی میں پرورش پائی۔ مولوی وجیہ الدین شاگرد ملا نظام الدین سہالوی سے عربی علوم اور معقولات کا درس لیا۔ مرزا محمد علی بن مرزا خیر اللہ سے فن ریاضی حاصل کیا۔ ۱۸ سال کی عمر میں لکھنؤ آئے اور نواب سعادت علی خاں کے اتالیق مقرر ہوئے، عربی، فارسی، انگریزی اور لاطینی زبانیں بہت اچھی جانتے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں پہلے ان کے وکیل اور بعد میں نائب مقرر ہوئے۔ (۳۲) نواب موصوف کے انتقال کے بعد نیابت سے استعفیٰ دے دیا اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ عربی کی متعدد تصنیفات کے علاوہ آپ نے بہت سی طب اور فلسفہ کی کتابوں کا انگریزی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد میں کلکتہ گئے تھے۔ ۱۲۲۴ھ (۱۷۹۹ء) میں لقوہ کا اثر ہوا۔ (۳۳) لکھنؤ واپس آ رہے تھے کہ بنارس کے قریب ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں انتقال ہوا۔ (۳۴)

۲۲- مرزا حسن علی محدث صغیر ہاشمی:

مرزا حسن علی صغیر لکھنؤ کے محلّہ یحییٰ گنج میں رہتے تھے۔ علوی سادات تھے۔ اپنے کو ہاشمی لکھتے تھے۔ حدیث وغیرہ کی تعلیم شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل کی۔ لکھنؤ میں علم حدیث کو جن محدث بزرگ نے سب سے زیادہ عام کیا اور خود فرنگی محل نے ان سے رجوع کیا وہ آپ تھے۔ نواب سعادت علی خاں کے زمانے میں ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں وفات پائی۔ (۳۵) تصنیفات میں اہم ترین برہان الخلافۃ اور فتاویٰ بہ زبان فارسی مشتمل بر مضمون عمل بالحدیث ہیں۔

۲۳- قاضی نجم الدین علی خاں ثاقب علوی کاکوروی:

آپ کی پیدائش ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) میں کاکوری میں ہوئی۔ (۳۶) تعلیم و تربیت اپنے والد ملا حمید الدین محدث، ملا حسن فرنگی محلی اور مولانا غلام یحییٰ بہاری سے حاصل کی۔ علم الحدیث کی سند شیخ ابوالحسن سندھی سے حاصل کی، ایسٹ انڈیا کمپنی نے قاضی القضاۃ کے

عہدے پر سب سے پہلے نجم الدین علی خاں کو فائز کیا۔صاحبِ تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں:

''بمنصب اقضی القضاۃ کلکتہ ممتاز بود، مع ہذا تدریس وافادۂ طلبائے علوم بغایت می کوشید۔''(۳۷)

آپ کی اہم ترین تصنیفات شرح کتاب الجنایات والجرائم، فتاویٰ عالمگیری، شرح اخلاق جلالی، رسالہ انساب، کشکول موسومہ بہ بیاض رشک ریاض وغیرہ ہیں۔اس کے علاوہ شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔عربی و فارسی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ء) میں بنارس کے قریب وفات پائی۔اور وہیں ''باغ فاطمان'' میں دفن ہوئے۔

۲۴-سید دلدار علی غفراں مآب:

اس عہد کی سب سے اہم شخصیت سید دلدار علی غفراں مآب کی ہے۔یہ شیعہ فرقہ کے مجتہد اول تھے۔آپ کی پیدائش ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۳ء) میں قصبہ جائس نصیرآباد میں ہوئی۔(۳۸) ابتدائی تعلیمات سندیلہ میں ملا حیدر پسر ملا حمید اللہ سندیلوی اور الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے حاصل کی۔اس کے بعد کربلا معلّیٰ میں آقا باقر بہبہانی اور سید علی طباطبائی سے علوم ِفقہ، حدیث اور اصول کی تحصیل کی۔مشہد میں سید مہدی بن سید ہدایت اللہ سے استفادہ کیا۔انھیں بزرگوں نے انھیں اجازہائے اجتہاد عطا کیا۔غازی الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں لکھنؤ میں ۱۲۳۵ھ (۲۰-۱۸۱۹ء) میں انتقال ہوا۔اور مقبرہ حسینیہ میں دفن کیے گئے۔آپ کا خاندان ''خاندانِ اجتہاد'' کے نام سے مشہور ہوا۔آپ کی بے شمار تصنیفات ہیں،عربی میں اہم ترین عماد الاسلام پانچ ضخیم جلدوں میں لکھی۔فارسی میں شرح باب الصوم حدیقۃ المتقین مصنفہ اخوند مجلسی، رسالہ غیبت، احیاء السنہ، رسالہ ذوالفقار وغیرہ اہم ہیں۔(۳۹)

۲۵-مولانا انوارالحق لکھنوی:

مولانا انوارالحق شیخ عبدالحق کے بیٹے اور فرنگی محل کے مشہور عالم تھے۔ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا شیخ احمد حسین اور شیخ محمد حسن سے تعلیم حاصل کی۔ انتہائی درجات کی کتابیں علامہ عبدالعلی بحرالعلوم سے پڑھیں۔ ۱۷ سال کی عمر میں اپنے والد سے بیعت ہوئے اور سلسلہ قادریہ کے زبردست بزرگ ہوئے۔ ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۱ء) میں وفات پائی۔[۴۰]

۲۶-مولانا عبدالاعلیٰ فرنگی محلی:

آپ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے صاحبزادے ہیں۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔[۴۱] وہیں نشو ونما پائی اپنے والد سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کلکتہ کا سفر کیا۔ وہاں پر حکمراں طبقہ سے خاص تقرب حاصل رہا لیکن خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو لکھنؤ واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد دوبارہ کلکتہ ہوتے ہوئے اپنے والد کے پاس مدراس گئے اور وہیں انتقال کیا، آپ کی عربی زبان میں متعدد تصنیفات ہیں۔

۲۷-سید مہدی بن غفران مآب:

آپ ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۴ء) میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں تعلیم حاصل کی۔ علومِ نقلیہ وعقلیہ میں خاص مہارت حاصل کی۔ تصنیفات میں چند کتب درسیہ پر حاشیہ لگایا ہے۔ اسی سے آپ کی دقت نظر اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں وفات پائی۔ مقبرہ حسینیہ میں دفن ہوئے۔[۴۲]

۲۸-مرزا فخرالدین لکھنوی:

مرزا فخرالدین بن محسن الزماں شیعی لکھنوی، ہیئت، حساب، نجوم، انشاء وغیرہ کے بہترین عالم تھے۔ ملاحسن کے شاگرد مولوی ثناء اللہ سے صرف ونحو پڑھی، ملامبین سے منطق

اور حکمت پڑھی اور سید دلدار علی غفراں مآب سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ تفضّل حسین کے عہد میں بخشی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ء) میں لکھنؤ میں ہوا۔ (۴۳)

۲۹- احسان اللہ بن ملا نعیم اللہ:

آپ نے تمام درسی کتابیں اپنے والد اور چچا مولوی ولی اللہ اور معین بن ملا مبین سے پڑھیں۔ تصنیفات میں چند کتب درسیہ پر حواشی کے علاوہ احسن القصص، تاریخ الخلفاء اور ریاض المسلمین ہیں۔ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں انتقال ہوا۔ (۴۴)

۳۰- علاء الدین احمد بن مولانا انوار الحق فرنگی محلی:

آپ مولانا انوار الحق کے بھائی اور انوار الحق بن عبد الحق کے بیٹے تھے۔ (۴۵) تحصیل علم ملا محمد مبین اور اپنے چچا اظہار الحق سے کیا اور پھر ''بہارو'' (روہیلکھنڈ) جاکر ختم تعلیم علامہ عبد العلی بحر العلوم سے کی۔ کافی عرصہ علامہ بحر العلوم کی خدمت میں رہے بلکہ علامہ کی وفات کے بعد ان کے داماد کی حیثیت سے مدراس کی سرکار میں مدرس مقرر ہوگئے اور ملک العلماء کا خطاب حاصل کیا۔ ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) میں مدراس میں وفات پائی۔ (۴۶) آپ کی تصنیفات میں ''شرح حصول اکبری'' اہم ہے۔ (۴۷)

۳۱- مفتی غلام حضرت اعظمی لکھنوی:

مفتی غلام حضرت اپنے عہد کے فاضل بزرگ تھے۔ ان کے والد کا نام محمد غوث تھا۔ مفتی صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور یہیں تحصیل علم کے بعد منصب افتاء پر فائز ہوئے۔ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں وفات پائی۔ (۴۸)

۳۲- مولانا محمد مستعان کاکوروی:

اودھ کا قصبہ کاکوری بے شمار علماء فقہا اور صوفیہ کا مسکن رہا ہے۔ محمد مستعان بن

عبدالسبحان کو یہاں کے فقہائے حنفیہ میں اونچا مقام حاصل رہا ہے۔ یہ کاکوری میں پیدا ہوئے۔مولانا محمد اعلم بن شاکراللہ سندیلوی سے علم حاصل کیا۔علم فقہ،منطق وفلسفہ اور اصولِ کلام پر گہری نظر تھی۔۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) میں وفات ہوئی۔ (۴۹)

۳۳-شیخ حسن بن ابراہیم لکھنوی:

شیخ حسن چشتیہ سلسلہ کے مشہور بزرگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔آپ شیخ مودود چشتی کی نسل سے تھے۔فیض آباد میں پیدا ہوئے۔اپنے چچا شیخ علی اکبر مودودی سے تحصیل علم کیا۔اس کے بعد لکھنؤ تشریف لائے۔۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹) میں چچا سے ہی خلافت پائی۔آپ اپنے وقت کے بزرگ اور صاحبِ حال صوفی تھی۔لکھنؤ میں محمد ابن عربی کی تصنیف فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا درس دیا کرتے تھے۔ایک کتاب ''لطائف اکبری'' کے نام سے لکھی جس میں اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کیے۔۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ (۵۰)

۳۴-مولانا امین اللہ لکھنوی:

آپ فرنگی محل کے مشہور عالم تھے۔ والد کا نام محمد اکبر تھا۔ فقہ حنفی میں مہارت حاصل کی۔لکھنؤ میں اپنے چچا محمد اصغر اور نانا مفتی ظہور اللہ سے تعلیم حاصل کی۔فراغت کے بعد لکھنؤ میں درس و افتاء میں مصروف رہے۔۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں اسی شہر میں انتقال ہوا۔ (۵۱) تصنیفات میں متعدد کتابوں پر حاشیے آپ کی یادگار ہیں۔

۳۵-مرزا کاظم علی شیعی:

آپ غفران مآب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔فقہ،اصولِ فقہ اور دوسرے علومِ دینیہ کا درس لکھنؤ میں دیا کرتے تھے۔آپ کی صرف ایک تصنیف ''نصرۃ المومنین'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فارسی زبان میں فن مناظرہ و کلام میں ہے۔۱۲۴۹ھ (۱۸۳۳ء) میں وفات پائی۔ (۵۲)

۳۶-مولانا محمد اشرف لکھنوی:

ان کا اصل وطن کشمیر تھا۔ اجداد نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کرلی۔ مولانا لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ شیخ مخدوم حسینی لکھنوی سے اور نور الحق فرنگی محلی سے تحصیل علم کیا۔ آپ اپنے عہد کے نامور عالم تھے۔ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) میں وفات پائی۔ (۵۳) تصنیفات میں ''الاصول الرایحۃ'' اور اس کی شرح کے علاوہ قسطا من الصرف اور تذکرہ علمائے ہند کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کر رہے تھے کہ وفات ہوگئی۔

۳۷-مرزا محمد رفیع شیعی لکھنوی:

آپ مرزا مغل کے نام سے مشہور تھے۔ سید دلدار علی غفران مآب سے تحصیل علم کیا۔ منقولات میں فقہ اور اصولِ فقہ کے ماہر تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے علم طب میں مہارت تھی۔ ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۱ء) میں وفات ہوئی۔ (۵۴) تصنیفات میں وسیلۃ النجات، زاد الآخرۃ، مشیر الاخوان وغیرہ اہم ہیں۔

۳۸-سید مرتضیٰ حسینی لکھنوی:

سید مرتضیٰ بن مصطفیٰ حسینی لکھنو میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے چچا سید مخدوم حسینی سے ابتدائی علوم حاصل کیے۔ (۵۵) ملا مبین سے منطق وحکمت پڑھی، حکیم رضی الدین سے علم طب حاصل کیا۔ اس کے بعد انگریزی عملداری میں سفارت خانے کے محرر بنادیے گئے۔ اس سلسلہ میں کلکتہ بھی گئے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد اودھ واپس آگئے، نواب سعادت علی خاں کے عہد میں لکھنؤ کے مسندِ افتا پر متمکن ہوئے اور وہاں کے مفتی قرار پائے۔

بادشاہ غازی الدین حیدر کے عہد میں سید اسماعیل شہید دہلوی سے بیعت کی۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں منصب افتاء سے استعفیٰ دے کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوئے۔ ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ (۵۶)

۳۹۔مولوی سید عبدالرحمٰن لکھنوی:

مولوی سید عبدالرحمٰن لکھنوی صوفی عالم تھے۔آپ کا تعلق چشتیہ سلسلہ کے مشائخ سے تھا۔ والد کا نام محمد حسن تھا۔ شکار پور کے اطراف میں واقع موضع ''روپاہ'' میں ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں پیدا ہوئے۔(۵۷) اپنے بھائی عبدالحکیم سے صرف ونحو، فقہ، اصولِ فقہ پڑھ کر خیر پور گئے۔ وہاں حافظ محمد فاضل سے متوسطات پڑھیں۔اس کے بعد مہارون جا کر شیخ اسد اللہ سے منطق و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ رامپور جا کر شیخ محمود سے فنونِ ریاضیہ پڑھا۔ وہاں سے بہار گئے اور علامہ عبدالعلی بحرالعلوم سے چار سال تک استفادہ کرتے رہے۔اس کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے۔ ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ء) میں واپس ہندوستان آئے اور اپنے بھائی عبدالحکیم سے بیعت ہوئے۔ چھ ماہ تک اجودھن (پاک پٹن) جا کر بابا فریدالدین گنج شکر کے مزار کے پاس رہے۔اس کے بعد اجمیر پہنچے اور بہت دنوں تک شیخ معین الدین اجمیری کے مزار پر معتکف رہے۔ پھر دہلی آئے اور شیخ عظیم دہلوی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور اس طرح ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں لکھنؤ واپسی ہوئی۔ یہاں شاہ مینا کے مزار پر سات سال تک معتکف رہے۔آپ کی شخصیت بڑی عجیب تھی اور خیالات بھی جداگانہ پائے تھے۔ وفات ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں ہوئی۔(۵۸) تصنیفات میں مفتاح السعادۃ، کلمۃ الحق اور کاسرۃ الاسنان آپ کی اہم تخلیقات ہیں۔

۴۰۔مولانا حیدر بن ملا مبین:

آپ کا تعلق فرنگی محل کے مشہور علمی خانوادے سے تھا۔ فقہ حنفی کے زبردست عالم تھے۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور درس و افادہ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ نواب سعادت علی خاں نے تین روپیہ یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ شیعہ سنی نزاع کے سلسلے میں آپ کو لکھنؤ چھوڑ کر کلکتہ جانا پڑا۔ ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) میں کلکتہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ وہاں شیخ سید

یوسف یمانی اور شیخ عبدالحفیظ مکی سے سند حدیث حاصل کی۔ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) میں ہندوستان واپسی کے ارادے سے جہاز پر سوار ہوئے۔ جدہ سے کچھ دور کے فاصلے پر جہاز غرق ہوگیا۔لیکن آپ بہ سلامت دوسرے جہاز سے بمبئی پہنچے وہاں سے حیدرآباد آئے۔ نواب حیدرآباد نے آپ کو بڑے اعزاز واحترام سے رکھا اور ہزاروں روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں حیدرآباد میں وفات پائی۔[۵۹] تصنیفات میں بہت سی درسی کتابوں کے حواشی شامل ہیں۔

۴۱-مرزا جواد علی شیعی لکھنوی:

شیعہ فرقہ کے زبردست عالم تھے۔۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) میں پیدا ہوئے۔سید دلدار علی غفران مآب سے تحصیل علم کیا۔معقولات اور منقولات دونوں میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ متعدد درسی و غیر درسی کتابوں پر حواشی و تعلیقات آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں وفات پائی۔[۶۰]

۴۲-مرزا حسن علی شافعی لکھنوی:

حسن علی بن عبدالعلی فقہ حنفی کے ماہر اور اپنے وقت کے مشہور عالم تھے۔لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حیدر علی بن حمداللہ سندیلوی سے علم حاصل کیا۔ دہلی جا کر شیخ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے استفادہ کیا اور شاہ عبدالعزیز سے اجازت حدیث حاصل کی۔اس کے بعد علم حدیث کی توسیع و اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔ ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں انتقال ہوا۔[۶۱] تصنیفات میں ''تحفۃ المشتاق فی النطاح والصدق'' اور ''برہان الخلاف'' اہم ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ایک چھوٹے رسائل اور فقہی فتاویٰ ہیں۔

۴۳-مفتی ظہور اللہ بن ملا ولی اللہ لکھنوی:

آپ کی ولادت ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) میں ہوئی۔[۶۲] اپنے والد اور چچا ملا حسن

سے تعلیم حاصل کی۔آپ کا شمار فرنگی محل کے چیدہ چیدہ علماء میں کیا جاتا ہے۔سرکار اودھ میں عہدۂ قضا وافتاء پر مامور تھے۔۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں وفات پائی۔[۶۳] متعدد کتابوں پر شرح وحواشی آپ کی یادگار ہیں۔

۴۴-مفتی محمد اصغر:

آپ مفتی محمد احمد انصاری فرنگی محلی کے صاحبزادے تھے۔لکھنؤ میں پیدا ہوئے اپنے والد اور ملا مبین سے تحصیل علم کیا۔اس کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔اپنے عہد کے مشہور عالم تھے۔درسی کتابوں پر متعدد حواشی آپ کی یادگار ہیں۔۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں شہر لکھنؤ میں وفات پائی۔[۶۴]

۴۵-مولانا معین بن ملا مبین فرنگی محلی:

کتب درسیہ اپنے والد سے پڑھیں اور بے مثال فقیہ، محدث اور واعظ ہوئے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔علمِ حدیث اور متعلقات حدیث کا کثرت مطالعہ اور علم فقہ، اصولِ فقہ اور علم وادب میں مہارت کامل، کثرت فتویٰ وغیرہ صفات میں آپ بے نظیر تھے۔ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں وفات پائی۔[۶۵] کئی ایک کتابیں اور رسالے بزبان عربی آپ کی یادگار ہیں۔

۴۶-قاضی علیم الدین:

تیرہویں صدی ھ کے آغاز میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے قاضی القضاۃ کے عہدے پر پہلی تقرری نجم الدین ثاقب علوی کی کی تھی جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔اسی عہدے پر خلف سوم قاضی علیم الدین ہوئے۔اپنے عہد کے جید عالم تھے۔کتب درسیہ اپنے والد مولانا عبدالواجد خیرآباد، مولوی فضل اللہ نیوتنی اور ملاً عماد الدین کبنی سے کی۔کچھ عرصہ عدالت میں مفتی رہے پھر قاضی مقرر ہوئے۔۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں کاکوری میں وفات پائی۔[۶۶] اور

اپنے بھائی مفتی حکیم الدین خاں کے پہلو میں محلّہ ''کھاری کنواں چاندمحل کا کوری'' میں دفن کیے گئے۔

۴۷-سید علی بن غفران مآب:

آپ کی پیدائش لکھنؤ میں ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ء) میں ہوئی۔ تحصیل علم اپنے والد بزرگوار سے کیا اور مختلف علوم میں مہارت حاصل کی۔ فن قرأت میں بے نظیر اور تقدس و زہد و ورع میں بے مثال تھے۔ ہر وقت وعظ و تذکیر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے مواعظ میں بڑی تاثیر ہوتی تھی۔ ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں کربلا گئے اور وہاں سے سید کاظم رشتی سے اجازۂ اجتہاد پایا۔ ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) میں ہندوستان واپس آئے۔ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں دوبارہ زیارتِ مشاہد مقدسہ کو گئے اور وہیں ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں وفات پائی۔[۶۷] تصنیفات میں کئی ایک کتابیں اور متعدد رسالے بزبان عربی ان کی یادگار ہیں۔ دو رسالے فارسی میں بھی لکھے۔

۴۸-مفتی محمد قلی بن محمد حسین کنتوری:

۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) میں پیدا ہوئے۔ غفران مآب سے خاص تلمذ تھا۔ چنانچہ درسی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ علمِ کلام میں خاصی مہارت اور درک تھا۔ میرٹھ میں بہت دنوں تک منصب قضا پر متمکن رہے۔ اسی زمانے میں رسالہ عدالت علویہ احکام قضاء و افتاء اور شرائط قاضی و مفتی کے بیان میں تصنیف کیے۔ دیگر تصنیفات میں تشئید المطاعن لکشف الضغائن فارسی میں لکھی جو دو ضخیم جلدوں میں مطبع جعفریہ لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ دوسری تقلیب المکائد، کشف الحجب، تقریب الافہام فی تفسیر آیات الاحکام وغیرہ کتابیں فارسی زبان میں تصنیف کیں۔[۶۸]

۴۹- ملا محمد مہدی بن محمد شفیع استر آبادی مازندرانی لکھنوی:

آپ مازندران میں پیدا ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء سے تعلیم پائی۔ سید طباطبائی آپ کے استاد تھے۔ آپ بڑے پائے کے مجتہد تھے۔ ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) میں لکھنؤ تشریف لائے اور باقی زندگی پڑھنے پڑھانے میں صرف کردی۔ ہمیشہ قناعت اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی۔ ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں لکھنؤ میں وفات پائی اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن کیے گئے۔ [۶۹] آپ کی متعدد تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ فارسی میں چند کتابیں اور رسالے تصنیف کیے۔ مثلاً رسالہ استحکام، رسالہ پنج حدیث در مناقب جناب امیر علیہ السلام، رسالہ نکاح، احسن التقویم وغیرہ۔ [۷۰]

۵۰- مولانا سید حسن بن غفران مآب:

۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) میں لکھنؤ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے والد اور بڑے بھائی سلطان العلماء سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت پرہیزگار اور منکسر مزاج تھے۔ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں انتقال ہوا۔ [۷۱] اور روضہ حسینیہ میں دفن ہوئے۔ تصنیفات میں چند رسالے اور کتابوں کی حواشی شامل ہیں۔

مآخذ:

(۱) (الف) ماثر الکرام (جلد۱): غلام علی آزاد بلگرامی، ص۲۵۷ تا ۲۷۷

(ب) تذکرہ علمائے ہند: رحمٰن علی، ص۲۷۶

(۲) (الف) ماثر الکرام (جلد۱): غلام علی آزاد بلگرامی، ص۲۵۰

(ب) تذکرہ علمائے ہند: ص۱۴۱ تا ۱۴۲

(۳) نزہۃ الخواطر (جلد۶)، عبدالحئی، ص۲۰

(۴) تذکرہ علمائے ہند: ص۱۶۹

(۵) (الف) ایضاً ص۱۱۱ (ب) ماثر الکرام، ص۱۵۹ تا ۱۶۰

(۶) ایضاً، ص۵۲۵

(۷) ماثر الکرام: ص۲۲۰ تا ۲۲۴

(۸) تذکرہ علمائے فرنگی محل: عنایت اللہ انصاری، ص۱۸۱

(۹) ماثر الکرام: ص۲۹۳

(۱۰) (الف) تذکرہ علمائے فرنگی محل: ص۱۲۷ تا ۱۲۹ (ب) تذکرہ علمائے ہند: ص۳۳۲ تا ۳۳۳

(۱۱) (الف) ماثر الکرام: ص۳۰۲ تا ۳۰۳ (ب) تذکرہ علمائے ہند: ص۳۹۹

(۱۲) (الف) ایضاً، ص۲۹۶ تا ۲۹۸ (ب) ایضاً، ص۴۸۳ تا ۴۸۴

(۱۳) (الف) نزہۃ الخواطر (جلد۶)، ص۲۸ (ب) تذکرہ علمائے فرنگی محل: ص۲۳ تا ۲۵

(۱۴) تذکرہ علمائے ہند: ص۳۷۸

(۱۵) فقہائے پاک و ہند (جلد۳)، محمد اسحاق بھٹی، ص۲۹۲ تا ۳۱۰

(۱۶) نزہۃ الخواطر (جلد۷)، ص۴۷۰ تا ۴۷۹

(۱۷) تذکرہ علمائے فرنگی محل: ص۱۳۷

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً

(۲۰) نزہۃ الخواطر (جلد ۷) ص ۲۸۷، (دوسرے تذکروں میں ''مسجد والا شاہی'' درج ہے۔)

(۲۱) تذکرہ علمائے ہند: ص ۳۰۵

(۲۲) نزہۃ الخواطر (جلد ۷)، ص ۴۰۴

(۲۳) تذکرہ علمائے ہند: ص ۴۶۹

(۲۴) تذکرہ علمائے فرنگی محل: ص ۱۷۲

(۲۵) فقہائے پاک و ہند (جلد ۳)، ص ۲۷۳

(۲۶) نزہۃ الخواطر (جلد ۷) ص ۳۹

(۲۷) ایضاً، ص ۷۵

(۲۸) ایضاً، ص ۳۱۱

(۲۹) ایضاً، ص ۴۶۲

(۳۰) تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۹۰

(۳۱) ایضاً، ص ۱۳۹

(۳۲) ایضاً، ص ۱۴۰

(۳۳) نزہۃ الخواطر (جلد ۷) ص ۱۰۹ تا ۱۱۱

(۳۴) تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۰

(۳۵) ایضاً، ص ۱۶۰

(۳۶) فقہائے پاک و ہند (جلد ۳)، ص ۳۴۹

(۳۷) تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۳۳

(۳۸) ایضاً، ص ۱۸۶

(۳۹) ایضاً، ص ۱۸۶

(۴۰) نزہۃ الخواطر (جلد ۷)، ص ۸۷

(۴۱) ایضاً، ص ۲۳۰ تا ۲۳۱

(۴۲) تذکرہ بے بہا،ص۳۲۵ تا۳۲۶

(۴۳) نزہۃ الخواطر (جلد۷)ص۳۷۰

(۴۴) تذکرہ علمائے فرنگی محل،ص۳۱ تا۳۲

(۴۵) ایضاً،ص۹۱

(۴۶) تذکرہ علمائے ہند:ص۳۴۰

(۴۷) نزہۃ الخواطر (جلد۷)ص۳۲۰

(۴۸) (الف) ایضاً،ص۳۵۳، (ب) تذکرہ علمائے ہند،ص۳۶۲
(ج) فقہائے پاک و ہند (جلد۳)،ص۴۶

(۴۹) (الف) ایضاً،ص۳۶۳ (ب) فقہائے پاک و ہند (جلد۳) ص۲۷۶

(۵۰) ایضاً،ص۱۳۰

(۵۱) (الف) ایضاً،ص۸۵ (ب) تذکرۂ علمائے فرنگی محل:ص۳۸

(۵۲) ایضاً،ص ۳۹۳

(۵۳) ایضاً،ص ۴۲۷

(۵۴) ایضاً،ص ۴۴۰

(۵۵) ایضاً،ص۴۷۰

(۵۶) فقہائے پاک و ہند (جلد۳)،ص۲۹۲

(۵۷) نزہۃ الخواطر (جلد۷)ص۲۵۳ تا۲۵۶

(۵۸) ایضاً

(۵۹) (الف) ایضاً،ص۱۵۱ (ب) تذکرہ علمائے فرنگی محل:ص۴۹ تا۵۱

(۶۰) ایضاً،ص۱۲۵

(۶۱) ایضاً،ص ۱۳۷

(۶۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل:ص۴۷

(۶۳) نزہۃ الخواطر (جلد ۷) ص ۲۲۷

(۶۴) ایضاً، ص ۲۲۷

(۶۵) (الف) ایضاً، ص ۴۶۴، (ب) تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص ۱۷۴

(ج) فقہائے پاک و ہند (جلد ۳)، ص ۲۷۸

(۶۶) (الف) ایضاً، ص ۳۳۷ (ب) تذکرہ مشاہیر کاکوری: محمد علی حیدر، ص ۲۸۷ تا ۲۸۹

(۶۷) (الف) ایضاً، ص ۳۲۲ تا ۳۲۳

(۶۸) ایضاً، ص ۴۶۰ تا ۴۶۱

(۶۹) ایضاً، ص ۴۹۰ تا ۴۹۱

(۷۰) تذکرہ وبے بہا: محمد حسن نوگانوی: ص ۳۲۷ تا ۳۲۸

(۷۱) نزہۃ الخواطر (جلد ۷) ص ۱۳۰ تا ۱۳۱

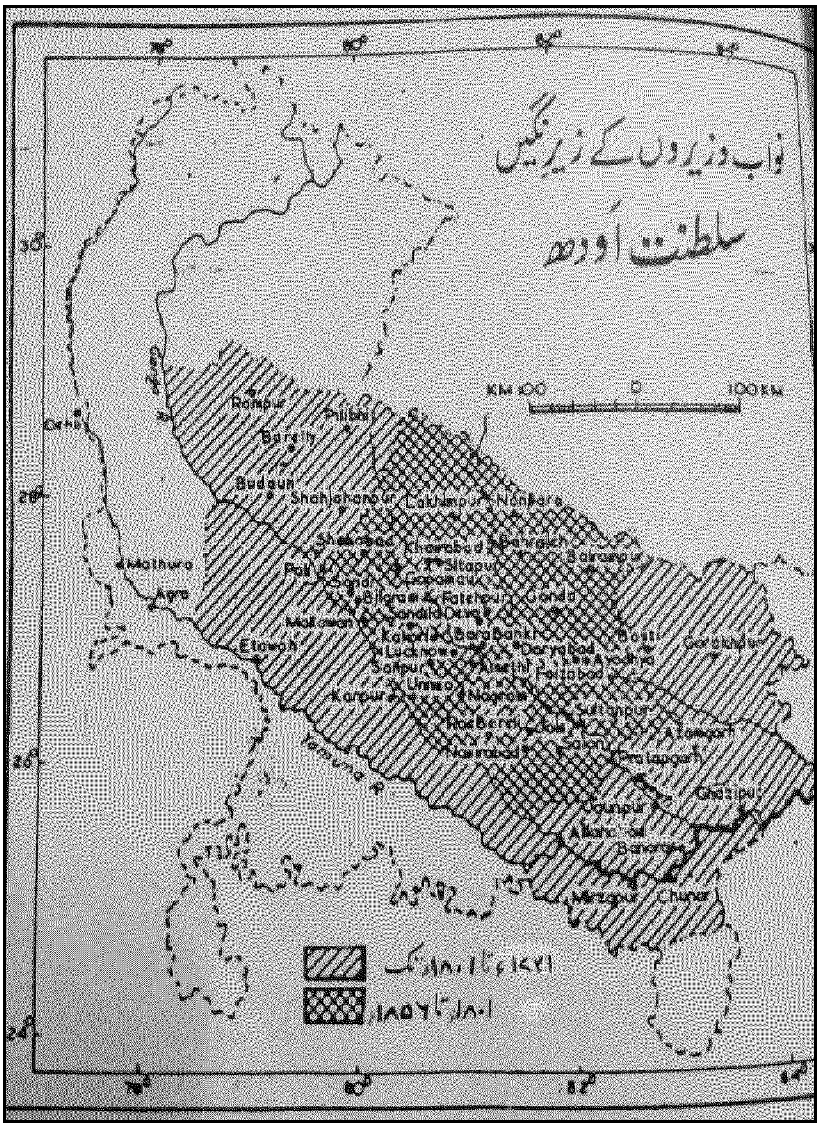

نواب وزیروں کے زیرِ نگیں اودھ سلطنت

اودھ کے فارسی گو شعراء

خان جہان حاتم مفلس نواز
گشت باقطاع اودھ سرفراز
در اودھ از بخشش او تا دو سال
ہیچ غم و نالہ نہ بود از مثال
(امیر خسرؔو دہلوی)

(۱) سراج الدین علی خاں آرزوؔ

سراج الدین علی خاں نام، آرزوؔ تخلص اور استعداد خاں خطاب تھا۔ ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۸ء) میں اکبرآباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ مشہور ومعروف تذکرہ نگار بندار بن داس خوشگو جو آرزوؔ کے شاگرد تھے لکھتے ہیں:

''در سال ہزار ونود و نہ ولادت یافتہ والد مرحوم شیخ حسام الدین لفظ ''نزل غیب'' تاریخ تولد یافتند۔''(۱)

عبارت کے مفہوم سے واضح ہے کہ یہ الفاظ ''آرزو'' ہی کے ہیں۔ ان کے والد شیخ حسام الدین نے مادۂ تاریخ ''نزل غیب'' نکالا جس سے سنہ ولادت ۱۰۹۹ھ نکلتا ہے۔ شیخ حسام الدین عالمگیر شاہی (۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۶۵۷ء تا ۱۷۰۷ء) میں منصب داری کے عہد پر فائز تھے۔ انہیں شعر وشاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ حسامیؔ اور حسامؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء میں ہوا۔

آرزوؔ کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے بھانجے شیخ کمال الدین تک پہنچتا ہے، اور ماں کی جانب سے شیخ محمد غوث گوالیاری(۲) کے خاندان تک۔ آپ شیخ فریدالدین عطار کی اولادوں میں سے تھے۔ آرزوؔ نے اپنے آپ کو شاید اسی لیے عطاری بھی کہا ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

جدا ست مرا حضرت عطار ازیں راہ
اشعار خود اکنون بہ نشابور فرستم

اوائل عمری ہی سے آرزؔو ذہین اور ہونہار تھے۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق پانچ چھ سال کی عمر میں گلستاں، بوستاں اور پند نامہ وغیرہ کے علاوہ بہت سی فارسی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ ۱۴رسال کی عمر میں عربی علوم کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔

آرزؔو کا شمار ہندوستان کے مشہور ومعروف اور ممتاز فارسی شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی قادرالکلامی کو سبھی تذکرہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے۔ مثال کے طور پر محتشم علی خاں حشمتؔ لکھتے ہیں: ''استادسراپاارشاد۔'' (۳)

شاہ آفریں لاہوری: ''امام سخنوران'' (۴)

والہ داغستانی:

''امرا و اعاظم دولت پیوستہ در حرمت
ومراعات او اہتمام می ورزند'' (۵)

میرحسن:

''سرگروہ سخن سنجان استادان .... بعد امیرخسرو چنین صاحب کمال پرگو وخوشگو بمسامع عالمیان نرسیدہ۔'' (۶)

میرقدرت اللہ قاسم:

''صاحب تصانیف بسیار مالک اشعار بے شمار واقف فروع واصول ماہر منقول و معقول مجمع کمالات منبع حسنات بحلیۂ علم وحلم آراستہ بزیور دانش وبینش پیراستہ باوصاف حمیدہ موصوف بہ اخلاق پسندیدہ معروف نکتہ سنج شیریں زبان ظریف الطبع عذب البیان بود۔ بر کتب متداولہ علوم رسمیہ بدرجۂ عبور داشت کہ درس شرح (مطالع) وشرح حکمت العین و مانند آن کہ دران اوان مروج بود میداد......'' (۷)

غلام علی آزاد بلگرامی:

''سراج الشعراء است وطراز الفصحاء در تماشائے خوبان معانی تمام آرزو است و در تحصیل فیوضات ربانی سراپا جستجو برارباب تتبع ھویداست......''(۸)

میر تقی میرؔ:

شاعر زبردست قادر سخن عالم وفاضل تا حال ھمچو ایشان بہ ھندوستان جنت نشان بھم نرسیدہ بلکہ بحث درایران می رود......''(۹)

آرزوؔ کے مزاج کی سادگی وانکساری خود ان کی تحریروں سے عیاں ہوتی ہے:

''خدا آگاہ وانصاف گواہ است کہ فقیر آرزو از عمر چھاردہ سالگی مشق شعر می کنم وتا امروز کہ پنجاہ و چھارم مرحلہ از عمر طے شدہ برخود اعتماد ندارم و بخود نمی سپارم ھرقدر تدقیق واعمال فکر بکار بردہ می شود غیر از نارسائی طبع وقصور ذھن خود ملحوظ نمی شود۔ ھر چند مسودات نظم ونثر وکتب شرح وفرھنگ وغیرہ قریب صد ھزار بیت مکتوبی شدہ باشد۔''(۱۰)

۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) میں نواب صفدر جنگ کے انتقال کے بعد آرزوؔ نواب سالار جنگ کے ساتھ دہلی سے اودھ (فیض آباد) کے لیے روانہ ہوئے۔ صوبۂ اودھ میں اس وقت نواب شجاع الدولہ کی حکومت تھی۔ آرزوؔ کے جدِ اعلیٰ شیخ کمال الدین کا اصلی وطن بھی یہیں تھا، گویا یہ اپنے آبائی وطن پہنچے۔ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ء) میں فیض آباد پہنچتے ہی نواب سالار جنگ نے آرزوؔ کو اپنے بہنوئی نواب شجاع الدولہ سے متعارف کروایا جنھوں نے آرزوؔ کے لیے تین سو روپیہ ماہانہ بطور وظیفہ مقرر کیا۔ لیکن آرزوؔ اس وظیفہ سے زیادہ دنوں فیضیاب نہ ہو سکے۔ ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ء) میں انتقال ہو گیا۔ ان کی میت ان کی وصیت کے مطابق دہلی لاکر دفن کی گئی۔

غلام علی آزادؔ کے دو جگہوں پر الگ الگ بیانات اس سلسلہ میں ملتے ہیں۔ ایک

جگہ لکھتے ہیں:

''و در جمادی الآخر سنہ تسع و ستین و ماۃ الف (۱۱۶۹ھ) در بلدۂ لکھنؤ فوت کرد و در ہمیں شہر مدفون گردید۔''

آزاد نے تاریخ وفات بھی کہی:

سراج الدین علی خاں نادر عصر
زمرگ او سخن را آبرو رفت
اگر جوید کسے سال وفاتش
بگو آن جان معنی آرزو رفت (۱۱)

دوسری جگہ ان کا بیان ہے:

''چوں وقت انتقال او قریب رسیدہ بہ بلدۂ لکھنؤ آمد و بست و سوم ربیع الآخر سنہ تسع و ستین و مأتہ و الف بجوار رحمت حق پیوست اول او را در لکھنؤ امانت گذاشت و بعد چند گاہ بقیہ جسد او را شاہجہاں آباد بردہ دفن کردند۔'' (۱۲)

خان آرزو کی اہم تصنیفات میں سراج اللغت، چراغ ہدایت، کلیات اشعار (غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ) دیوان در جواب اطہر شیرازی، شرح قصائد عرفی، سراج منیر، مہبت عظمیٰ، معیار الافکار (در قواعد صرف و نحو فارسی)، غرائب اللغات، تذکرۂ مجمع النفائس ہیں۔ ان کے علاوہ فیض آباد میں لکھی گئی کتابوں میں زائد الفوائد، (فرہنگ مصادر)، دیوان در جواب کمال خجندی، اور دیوان آرزو (غزلیات، قصائد و رباعیات پر مشتمل ہے) خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

آرزو بڑے صاحبِ کمال و شیریں مقال شاعر تھے۔ ان کی قابلیت، طباعی ذہانت، قوت اختراع، فصاحت و بلاغت سب کو تسلیم ہے۔ اشعار کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

صحبت ارباب دنیا نیست جز نقص تمام
کم بود زین وجہ قیمت جامۂ پوشیدہ را
بحرف وصورت میجوئی عبث سرمایۂ عزت
معما جز خموشی نیست اینجا اسم اعظم را
ندارد باد ایام جدائی چشم مست او
حسابی نیست در پیش فرنگی سال ھجرت را

بید غاصی پیش نتوان برد در شطرنج دھر
گاہ چپ گہ راست رفتن ھست لازم شاہ را

یارب زیادہ زین نہ پسندی خرابیش
مسکین دل نیست دیار فرنگ نیست
محزون بعیش و شاد بغم باشم آرزو
نیک و بد زمانہ چو بریک قرار نیست
گدای میکدہ دارد چہ ھمت عالی
کہ بادشاہ جھانست و حب جاھش نیست(۱۳)

آرزو نے بیشتر غزلیہ اشعار کہے ہیں۔ان کی غزلوں سے ان کی شاعرانہ مہارت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

محتسب از سخت جانی نی دلم تنھا شکست
شیشہ را گردن، سبو را دست، خم را پا شکست

غزل کے علاوہ رباعی، قصیدہ، مثنوی، مخمس، ترکیب بند، ترجیع بند اور مقطعات

وغیرہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ غرض کہ اصناف سخن کے اس میدان میں آرزؔو نے کھل کر طبع آزمائی کی اور بے مثال یادگاریں چھوڑیں۔

---

(۱) سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو، ص ۳۱۳، خوشگو آرزوؔ کے شاگردوں میں تھے انھوں نے آرزؔو کے حالات خود ان سے لکھوا لیے تھے اور اسے اپنے تذکرہ میں شامل کرلیا تھا۔

(۲) اصل نام حاجی حمیدالدین اور غوث العالم لقب تھا۔ ہندوستان کے ممتاز صوفیائے کرام میں سے تھے۔ یہ خواجہ عطار کے ساتویں پشت سے منسوب تھے۔ ان کی مشہور تصنیفات ''جواہر خمسہ'' اور ''گلزار ابرار'' ہیں۔

(۳) بحوالۂ مجمع النفائس: سراج الدین علی خاں آرزؔو، ص ۱۱ (ملخص)

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً

(۶) تذکرہ شعرائے اردو: میر حسن، ص ۱۱

(۷) مجموعہ نغز (جلد ۱): میر قدرت اللہ قاسم، ص ۲۴

(۸) خزانۂ عامرہ: غلام علی آزاؔد بلگرامی، ص ۱۱۶

(۹) نکات الشعراء: میر تقی میرؔ، ص ۲۵

(۱۰) سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو، ص ۳۱۵ (یہ آرزؔو کے الفاظ ہیں جو اس نے خوشگو کو لکھ کر دیے تھے)۔

(۱۱) سرو آزاد: غلام علی آزاؔد بلگرامی، ص ۲۳۱

(۱۲) خزانۂ عامرہ: غلام علی آزاؔد بلگرامی، ص ۱۱۹

(۱۳) کلیات آرزو — بحوالۂ مجمع النفائس: سراج الدین علی خاں آرزؔو

(۲) پنڈت بنی رام احقؔر

بنی رام نام اور تخلص ''احقؔر'' تھا۔ یہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ بعد میں بنارس میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے متعلق بیشتر تذکرے خاموش ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش و وفات کے بارے میں بھی ہمیں کوئی معلومات نہیں ملتیں جس سے کہ انھیں کسی مخصوص حکمراں کے عہد سے وابستہ کیا جا سکے۔ بہر حال تذکرہ ''روزِ روشن'' سے یہ بات واضح ہے کہ فارسی کے شاعر تھے اور ان کا تعلق عہد نوابین سے تھا۔ ان کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

در سر بجز آن زلفِ رخ یار نداریم
با سنبل و گل ہیچ سرو کار نداریم
تا زخمی تیرنگہ سبز خطا نیم
ما چارہ بجز مرھم زنگار نداریم(۱)

(۱) تذکرہ روز روشن: مظفر حسین گوپامئوی، ص ۳۱

(۳) سید احمد احمدیؔ بلگرامی

نام سید احمد اور احمدیؔ تخلص تھا۔ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد سید عبداللہ اور چچا سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرام کی مایۂ ناز شخصیات میں شمار کیے جاتے تھے۔ غرض کہ سارا خاندان ہی علوم وفنون اور عرفانی تعلیمات کا سرچشمہ تھا۔ ظاہر ہے ایسے میں سید احمد احمدیؔ کی شخصیت بھی ان ہی گوناگوں صفات سے منور تھی۔ فقر وفنا، تقویٰ اور صوفیانہ مزاج آپ کی شخصیت کے نمایاں پہلو تھے۔ اس کے علاوہ تیر اندازی کے فن میں بھی ماہر تھے۔

''دست بہ دامن صلاح وتقویٰ زادہ، چاشنی گیر لذت فقر وفنا لنگر بحر وقار وتمکین......
تیر خوب می انداخت و در شجاعت ونبرد آزمائی لوائ یکتای می افراخت۔(۱)

تذکرہ نگاروں کے مطابق جب احمد شاہ (پسر محمد شاہ بادشاہ دہلی) اپنے وزیر اعظم نواب قمر الدین خان اور نواب صفدر جنگ کے ساتھ احمد شاہ ابدالی سے مقابلہ کے لیے دہلی روانہ ہوا تو اس وقت میر سید احمد احمدیؔ نواب صفدر جنگ کے ہمراہ تھے اور سرہند کے مقام پر ۱۴؍ربیع الاول ۱۱۶۱ھ دشمن کی گولی سے زخم کھا کر وفات پائی۔ بعد میں نعش دہلی لائی گئی اور لاہوری گیٹ کے پاس دفن کیے گئے۔

فارسی زبان سے خاص شغف تھا، آپ کے کلام میں بیشتر تر رباعیاں ملتی ہیں۔ ان

میں سے چند رباعیاں یہاں نقل کی جارہی ہیں جو علم معرفت اور اسرار و رموز الٰہی سے لبریز ہیں۔

گرخار به گلزار تو باشد باشد
درقلب به بازار تو باشد باشد
هر چند سیاه رو نباید این جا
گرنیل به رخسار تو باشد باشد

ای احمد مصطفیٰ شفیع دو جهان
بسپرد بدست تو مرا خالق جان
الحال بدستِ تست کاروبارم
مختار توئی هرچه بخواهی کن آن

باقد تو رفعت همه پست آمد
هشیار زهیبت تو هرمست آمد
بیخود افتاده ام بگیری دستم
ای آن که ید تو فوق هردست آمد

(۱) مآثر الکرام، ص۳۳۲
(۳) بلگرام کے فارسی شعراء، ص۱۴۳

(۴) میر سید لطف اللہ احمدیؔ

نام میر سید لطف اللہ اور تخلص احمدیؔ تھا۔آپ کا تعلق اودھ کے مردم خیز خطے بلگرام سے تھا۔ جو قنوج کے مضافات میں ہے۔۱۰۵۳ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔شعور آتے ہی علمائے دین کی خدمت میں اپنے اوقات صرف کرنا اور ان کی صحبتوں سے فیضاب ہونا شروع کر دیا۔۲۲؍سال کی عمر میں شاہ برہان شطاری کی خدمت میں پہنچے۔لیکن وہ چند سال بعد ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ پھر آپ نے میر عبدالجلیل اور ان کے بعد میر سید احمد کالپوی سے ربط پیدا کیا اور یہیں پیر کی نسبت سے آپ نے احمدیؔ تخلص بھی اختیار کیا۔معروف تذکرہ نگار قدرت اللہ نے انہیں ''سرمست نشۂ سرمدی'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ جبکہ آزاد بلگرامی انہیں ''سید العارفین'' کے لقب سے مخاطب کرتے، کیونکہ وہ احمدیؔ کو اپنا پیر مانتے تھے۔ نہ صرف آزاد بلگرامی بلکہ اس دور کے بیشتر شعراء و دیگر لوگ آپ سے بیعت حاصل کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔(۱) سید احمد کی وفات کے بعد احمدیؔ اپنے وطن بلگرام واپس آ گئے اور شعر وادب میں نمایاں شہرت حاصل کی۔۱۱۴۳ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔بطورِ نمونہ کلام کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

جمال اوست بہ ہر شش جہت تماشا کن
نقاب نیست خدارا تو دیدہ پیدا کن

از راستی خدنگ تو آمد بجاں نشست
آری براستی ہمہ جامی تو ان نشست(۲)

(۱) بلگرام کے فارسی شعراء:ص۱۶۹
(۲) سفینۂ خوشگو،ص۱۷۶

(۵) مہاراج سکھ رام داس برہمچاری اخلاصؔ

سکھ رام داس نام اور تخلص اخلاصؔ تھا۔ یہ لکھنؤ کے محلّہ نواب گنج کے رہنے والے تھے۔ شعر وشاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اکثر فارسی اشعار اچھے کہتے تھے۔ ''شیام سندر داس'' نے اپنے تذکرے میں انھیں فارسی کا صاحبِ دیوان شاعر لکھا ہے۔'(۱) جبکہ تذکرہ میں ان کے کلام کا نمونہ مفقود ہے۔ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں ستر (۷۰) سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۱) بہارِ سخن: شیام سندر داس، ص ۲۰

(۶) شیخ غلام اسد اللہ اسدؔ

شیخ غلام اسد اللہ نام اور اسدؔ تخلص تھا۔ یہ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے بارے میں صرف اتنی اطلاع ملتی ہے کہ یہ فارسی کے شاعر تھے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان کے کلام کا مختصر نمونہ ''سفینۂ خوشگو'' میں ہے۔ ملاحظہ ہو:

سحر بدور چمن بلبل ایں فغاں انداخت
کہ نقد وقت خود از کف نمی تواں انداخت
میان او کہ کمر ہائی عالمی بشکست
بسا دقیقہ باریک درمیاں انداخت

مگزار زیارت سرشکم
کایں دانۂ سرخ کربلائی است

دیر است کہ ساقی نابی نفرستاد
آتش بوجودم زود آبی نفرستاد(۱)

(۱) سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو، ص۲۰

(۷) مظفر علی خاں اسیرؔ

سید مظفر علی علی خاں نام، اسیرؔ تخلص، تدبیر الدولہ، مدبر الملک بہادر جنگ خطابات تھے۔ اسیرؔ کی پیدائش ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں امیٹھی میں ہوئی۔(۱) سلسلۂ نسب حضرت عباس علمدار تک پہنچتا ہے۔ دس برس کی عمر میں اپنے والد میر مدد علی کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور پھر مستقل قیام رہا۔

اسیرؔ نے عربی و فارسی علوم و فنون کی تعلیمات علمائے فرہنگی محل سے حاصل کیں۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہد میں سرکار شاہی سے متوسل ہوئے۔ امجد علی شاہ کے زمانے میں کچہری سلطانی کے سرشتہ دار اور داروغہ زنداں اودھ مقرر ہوئے۔ واجد علی شاہ کے زمانہ میں عہدہ اور تنخواہ دونوں میں اضافہ ہوا۔ ''تدبیر الدولہ مدبر الملک بہادر جنگ'' کا خطاب نواب موصوف کا عنایت کردہ تھا۔

۳-۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) میں واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد اسیرؔ رامپور چلے گئے۔ وہاں نواب یوسف علی خاں برسرحکومت تھے۔ جس وقت اسیرؔ لکھنؤ میں تھے، نواب یوسف ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ اسیرؔ یہیں رہ گئے۔ اور اپنی زندگی کے بقیہ دن آرام سے گزارے۔ یوسف علی خاں کی اس درمیان وفات ہوئی۔ ان کے جانشین نواب کلب علی خاں نے بھی اسیرؔ کی قدردانی میں کسی قسم کی کمی نہ رہنے دی۔ کچھ دن فراغت کے

گزار کر ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں وفات پائی۔ ان کی وفات لکھنؤ آکر واقع ہوئی۔

اسیؔر کا شمار اس عہد کے مشہور و معروف شعراء میں ہوتا ہے۔ یہ غلام مصحفیؔ کے شاگردوں میں تھے۔ ''تذکرۂ نادر'' نے انھیں ''ملک الشعراء'' لکھا ہے۔(۲) ''گل رعنا'' میں بیان ہے کہ ایک فارسی دیوان کے علاوہ ان کے چھ دیوان اردو کے ہیں۔ (۳)

ان کے بارے میں ایک دوسرے تذکرہ نویس کے الفاظ ہیں:

''اردو فارسی اور منقبت میں چار دیوان کہ چار دانگ ہندوستان میں ان کا شہرہ ہے۔''(۴)

ایک اور بیان کے مطابق:

''انھیں جملہ اصناف سخن پر قدرت حاصل تھی۔ مرثیے اور سلام بھی لکھے ہیں لیکن یہ مجموعہ غدر میں تلف ہوگیا۔ واجد علی شاہ کے استاد تھے۔ امیرؔ مینائی، احمد علی شوقؔ، جرار، فضل علی خاں واسطی ان کے شاگردوں میں تھے۔''(۵)

اس سلسلہ میں تذکرہ ''سراپا سخن'' میں ہے:

''ایک دیوان فارسی، دو دیوان اردو اور عشق نامہ ان سے یادگار ہیں۔''(۶)

مختصر یہ کہ اسیؔر ایک پرگو شاعر تھے، اور تمام اصناف سخن پر قدرت کمال رکھتے تھے لیکن افسوس کہ تذکروں میں ان کا فارسی کلام مفقود ہے۔

---

(۱) سخن شعرا: عبدالغفور نساخ، ص ۲۵
(۲) تذکرہ نادر: مرزا کلب حسین خاں بہادر مرتبہ مسعود حسن رضوی، ص ۲۶
(۳) گل رعنا: عبدالحئی، ص ۳۹۴
(۴) خوش معرکۂ زیبا (جلد ۱): سعادت خاں ناصر، ص ۱۶۴
(۵) خمخانۂ جاوید (جلد ۱)، لالہ سری رام، ص ۲۹۹
(۶) سراپا سخن: محسن، ص ۳۸

(۸) نواب امجد علی خاں امجدؔ

امجد علی خاں نام اور تخلص امجدؔ ہے۔ ان کے والد نواب عبدالاحد خاں بہادر کشمیری تھے۔ امجدؔ کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ بعد میں ان کا لکھنؤ آنا ہوا یہاں امجدؔ، شاہ اودھ کی سرکار میں ''امیر تزک'' کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ شعر و شاعری کا شوق رکھتے تھے۔ ''گلشن ہمیشۂ بہار'' میں ان کا ایک شعر ملتا ہے۔ دیگر تفصیلات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ان کا سنہ پیدائش وسنہ وفات معلوم نہیں، خویشگی کی رائے کے مطابق:

''امجدؔ...... از حضرت شاہ آبادانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نمودہ بخرقہ وکلاہ سرافتخار افراختہ و باجازت بلکھنؤ شتافتہ بکارہائے جلیل اعزاز نیافتہ آخر بعہدہ امیر تزک در سرکار شاہ اودھ سرافراز بودہ صدہا کس از فیض ظاہری و باطنی آں بزرگ مستفیض شدند صاحب استعدادی بلیغ بود و در کشور سخن صاحب بمز یغ عرصہ شد کہ بر شعر

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بگزارم سراسر جاں شوم(۱)

---

(۱) گلشن ہمیشۂ بہار: خویشگی، نصر اللہ خاں، ص ۵۱

(۹) میر محمد امیؔن

میر محمد امیؔن نام اور تخلص ''امیؔن'' تھا۔ بیشتر تذکرے ان کے بارے میں خاموش ہیں۔البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنارس کے رہنے والے تھے۔ (۱)

شاعری میں غلام علی آزؔاد بلگرامی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

عبدالغفور نساؔخ لکھتے ہیں کہ:

''فارسی بیشتر کہتے تھے۔''(۲)

لیکن ان کے کلام کا نمونہ کہیں نہیں ملتا۔ مجموعۂ نغز کی عبارت سے ان کے مختصر حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

ملاحظہ ہو:

''میر محمد امین شاگرد میر غلام علی آزؔاد بلگرامی فارسی گو گویند ولی سید زادہ بود در محمد آباد بنارس طبعش بریختہ گوئی میل کلی داشت۔ درآخر ہا بمما لک جنوبی رخت سفر کشیدہ ھمانجا رحل اقامت انداخت۔''(۳)

مؤلف تذکرہ ''شعرائے اردو'' کی عبارت بھی اس سے کافی ملتی جلتی ہے لکھتے ہیں:

''یہ شخص قوم سے سیّد ہے، رہنے والا بنارس کا، شاگرد میر غلام علی آزؔاد بلگرامی کا، طبع

اس کی ریختہ گوئی پر میل کلی رکھتی تھی۔ آخیر عمر میں طرف ممالک جنوبیہ کے گیا وہیں فوت ہوا۔''(۴)

(۱) گلشن بے خار: مصطفیٰ خاں شیفتہ، ص ۳۰
(۲) سخن شعراء: عبدالغفور نساخ، ص ۴۸
(۳) مجموعۂ نغز (جلد ۱): میر قدرت اللہ قاسم، ص ۷۷
(۴) شعرای اردو: فلین (ایف) اور کریم الدین، ص ۲۲۸

(۱۰)مرزا محمد امینؔ

مرزا محمد امین نام اور تخلص بھی امینؔ تھا۔ یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ سید مرزا یوسف کے بیٹے اور نواب سعادت خاں بہادر کے بھانجہ تھے۔ علوم وفنون میں بڑے ماہر تھے۔ فارسی مادری زبان تھی مزید برآں شعر وشاعری کا شوق۔ مصحفی لکھتے ہیں:

''ظاہر حالش بجمیع فنون وفضائل آراستہ دید فارسی زبان خود زبان اوست۔'' (۱)

ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

تا چند بدل ضبط کنم آہ و فغاں را
وقت است کہ بیرون بکنم راز نھاں را

---

(۱) عقد ثریا: غلام ہمدانی مصحفی، ص ۹

(۱۱) محمد یحییٰ انصافؔ

محمد یحییٰ نام اور تخلص ''انصافؔ'' تھا۔ جونپور کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ ان کے فارسی کلام کا ایک مختصر نمونہ ''سفینۂ ہندی'' میں ملتا ہے۔ تاریخِ ولادت کا علم نہیں، تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ مؤلف سفینۂ ہندی کے مطابق تاریخِ وفات ''بـرد الـلّٰـه مضجة'' سے نکلتی ہے۔[۱] جو کہ ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) ہے جبکہ تذکرہ مسرت افزا میں سال وفات ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۳ء) ہے۔ ان کے کلام کے بارے میں مبتلاؔ لکھنوی لکھتے ہیں:

''انصاف جونپوری نامش محمد یحییٰ درفن ریختہ گوئی طرز خوب دارد۔''[۲]

فارسی نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

از مذہبم مپرس نہ مومن نہ کافرم
من رسم این دیار ندانم مسافرم
گشتم خاک و تاکف پای رسیدہ ایم
ای خاکساری از تو بجای رسیدہ ایم[۳]

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۴

(۲) گلشن سخن: مبتلا لکھنوی، ص ۶۷

(۳) سفینۂ ہندی: ص ۱۴

(۱۲) لالہ بیج ناتھ انیسؔ

لالہ بیج ناتھ نام اور انیسؔ تخلص تھا۔ مشہور شاعر لالہ شتاب رائے زارؔ کے چچا زاد بھائی تھے۔ پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ ''سفینۂ ہندی'' میں ہے:

''جوان پسندیدہ اطوار و شیریں گفتار است۔''(۱)

ہندیؔ کا بیان ہے کہ جو کچھ بھی کہتے وہ میرے پاس دیکھانے کے لیے ضرور لاتے۔ ''سفینۂ ہندی'' میں ان کے صرف دو شعر ملتے ہیں:

دل بند بدام زلف او شد
دیوانہ اسیر شد نکو شد

در قفص(۲) بسیار دل شادیم ما
از دعا گویاں صیادیم ما(۳)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۲۲

(۲) قفس

(۳) ایضاً

(۱۳)منشی نظیر حسین اوؔج

منشی نظیر حسین نام اور تخلص ''اوؔج'' تھا۔ اودھ میں موضع کاکوری کے رہنے والے تھے۔ان کے والدمنشی احمد حسن انگریزی سرکار میں کسی اونچے عہدے پر فائز تھے۔(۱)

۱۲۶۸ھ(۱۸۵۲ء) میں پیدا ہوئے عربی کی تعلیم حضرت شاہ علی اکبر قلندر سے اور فارسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اس کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا۔ اور ہردوئی میں وکالت شروع کردی۔ شعروشاعری کا شوق بھی تھا لہٰذا محمد رضا صبؔر کاکوروی کی شاگردی حاصل کی۔ اوؔج کو اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر عبور کامل حاصل تھا۔لیکن اسے اتفاق کہیے کہ ان کے تفصیلی حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے۔ فارسی کلام کے چند اشعار ''بہارستان اودھ'' میں ملتے ہیں۔ ملاحظ ہوں:

لذت مرگم نشدہ از ہجر تو حاصل ھنوز
باھمہ پژمردگیہا زندہ دارم دل ھنوز
جلوۂ فصل بہاری است پابند نقاب
شاخ میدارد ز غنچہ در رہش محمل ھنوز
نالم از ناوک کہ پہلویم ز بیکھری گذاشت
شادم از پیکان کہ جای او بود در دل ھنوز

دل کہ یاد مژۂ دیدۂ جاناں دارد
خلش نیشتر تیز بہ شریان دارد
پیش رویم فلک آئینہ خورشید گذاشت
تابیاد رخ زیبای تو حیران دارد
پایم از جادۂ نوردی چو در آید بستوہ
عربدہ باسر ھر خار مغیلان دارد(۲)

(۱) سخنوران کاکوری، ص۴۱۰
(۲) بہارستان اودھ: عاشق عبداللہ، ص۱۳۲

(۱۴) احمد قلی خاں ایمنؔ

احمد قلی خاں نام اور ایمنؔ تخلص تھا۔ قلی خاں ایران کے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے یہ اودھ کے صوبیدار نواب برہان الملک سعادت خاں کے امراء خاص میں سے تھے۔ ایمنؔ کے بارے میں خوشگو نے ''تذکرۂ علی قلی خاں والہ داغستانی'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''تولد ایمن درقم شدہ و در زمان عالمگیر بہ کابل آمدہ مدتی در آنجا بسر بردہ، آخر وارد ہندوستان شد و در عہد محمد شاہ منصب پنجہزاری رسیدہ در جنگی کہ برہان الملک سعادت خاں و نادر شاہ در ہندوستان واقع شدہ تلف گردید نعش او را ہم نیافتند۔''(۱)

بطورِ نمونہ ایک شعر ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

بندد هلال تیغ پی خود آفتاب
یابد اگر ز ابروی شوخت اشارۂ

(۱) سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو، ص ۲۵۶

(۱۵) باسط علی باسطؔ

مولوی باسط علی، مولوی شفاعت علی کے بیٹے تھے۔۱۸۱۴ء میں سندیلہ میں پیدا ہوئے۔یہیں پر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔عربی و فارسی مولوی فقہ اللہ سندیلوی، مولوی ولی اللہ سندیلوی اور مولوی یوسف علی سے پڑھی اور یگانۂ روزگار ہوئے۔ بوستان اودھ کی عبارت کے مطابق:

''لیاقت وخوش وضعی بہ دور ونزدیک مشہور ومعروف است واز دیر باز ملازم سرکار انگریزی است تا بدرجۂ تحصیلداری رسید امروزہم بہ سرکار دولت مدار تعلقی دارد بغایت متدین وصاف معاملہ ودرانشاء پردازی برگزیدۂ روزگار است۔'' (۱)

باسطؔ ایک اچھے شاعر اور عالم فاضل شخص تھے۔ساری عمر تحصیلداری کے عہدوں پر فائز رہے۔سندیلہ میں ہی ۱۸۹۵ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں ہی دفن ہوئے۔شعروشاعری کا جو تمام سرمایہ تھا وہ زمانے کی فروگذاشت سے تلف ہوگیا۔افسوس کہ اس قیمتی خزانے سے صرف ایک غزل ہی مل سکی۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بیاکہ مطرب و مینا و طرف بستان است
بخندہ شاھد گل موسم بھاران است
چہ فیض ھاکہ بہ عزلت ز لال خضر نیافت

بهار زنده ولی مفت گوشہ گیران است
چو مرد بلبل بیدل اسیر کنج قفس
چمن ز لالہ بدل داغ گل پریشان است
بچشم غم زدگان موج گل بود زنجیر
برای غنچہ دلان سخن باغ زندان است
نشستہ ام بجرم فشردگان باسطؔ
اسیر کنج قفس بلبل خوش الحان است(۲)

(۱) بوستان اودھ، بحوالہ کاکوری، ص ۱۲۵
(۲) سخنوران کاکوری، ص ۲۵-۱۲۶

(۱۶) حضرت خواجہ باسطؔ

خواجہ باسطؔ کا سلسلۂ نسب خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ جعفر قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ ان کے آبا و اجداد ماوراالنہر سے ہندوستان آئے اور اکبرآباد میں سکونت اختیار کی۔ خواجہ باسطؔ کی پیدائش یہیں ہوئی۔ بچپن میں ہی اپنے چچا صمصام الدولہ خاں دوراں خان بہادر کے ساتھ دہلی آ گئے۔ دہلی کی تباہی کے بعد نواب شجاع الدولہ کی خواہش پر خواجہ لکھنؤ تشریف لے آئے۔ اور یہیں ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ء) میں وفات پائی۔ مادۂ تاریخ ''شیخ مومنین باسط'' ہے۔

خواجہ کی وفات کے بعد ان کے داماد حضرت میر نصیر ان کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔

خواجہ باسطؔ کو شعر و شاعری سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے:

یرقان شد بدیدہ نرگس
مگر او خواست با تو ہم چشمی (۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۳۷

(۱۷) میرزا بدیؔع

میرزا بدیع نام، تخلص بدیؔع ہے۔ یہ نصیر آباد کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد میرزا طاہر سے حاصل کی۔ فن شاعری میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ تاریخ گوئی میں ان کا جواب نہ تھا۔ بھگوان داؔس ہندی لکھتے ہیں:

''تاریخ گوئی را بدرجۂ رسانید کہ ہیچ کس را قدرت ہمسری او بنود۔''(۱)

رباعی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

در مکتب آفرینش استاد علی است
عالم همه بنده اند آزاد علی است
آمد نمک و علی موافق بعدد
یعنی نمک سفره ایجاد علی است(۲)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۲۴

(۲) سفینۂ ہندی، ص۲۵

(۱۸) وجیہ الدین خان بریںؔ

وجیہ الدین نام اور تخلص بریںؔ ہے۔ یہ الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ حسام الدین خاں ان کے بڑے بھائی تھے۔ الہ آباد میں یہ لوگ اچھے مراتب و مناصب پر فائز تھے۔ بعد میں شاہی لشکر کے ہمراہ فیض آباد آئے۔ بریںؔ کو شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اپنے کلام پر مرزا فاخر مکیںؔ سے اصلاح لیا کرتے تھے اور اچھے اشعار کہتے تھے۔

بھگوان داسؔ ہندی کے الفاظ میں:

''علم ھنر از جناب ارشاد مآب کردہ، آنچہ می گویند از نظر اصلاح می گذارند، قصۂ آمدن ایشان در فیض آباد ھمراہ لشکر بادشاہ جم جاہ و بردن جناب ارشاد مآب را بہ اللہ آباد در قصیدۂ سلسلۃ الحیا کہ جناب ارشاد مآب فرمودہ اند، مشروحاً مسطور است۔''

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

بمن دست و گریبان غیر زاکردو رمید از من
گرفتم دامنش در ہم شد و دامن کشید از من
ز جوش گریہ بحر موج زن چشم پرست امشب
دل طوفانی من کشتیِ بی لنگر است امشب(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص۳۲

(۱۹)امیر حسن بسملؔ

امیر حسن بسملؔ سفیر شاہ اودھ نواب امیر عاشق علی خاں بہادر کے بیٹے تھے۔ فارسی کے علاوہ عربی زبان میں بھی استعداد کامل تھی۔ اچھے اور قادرالکلام شاعر تھے۔ فارسی میں بسملؔ تخلص اختیار کیا۔ شعر کی طرح نثر پر بھی نمایاں قدرت حاصل تھی۔ شیخ غلام مینا ساحرؔ کاکوروی کے شاگردوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ غالبؔ کے معاصرین میں سے تھے۔ مرزا سے اکثر چشمک بھی رہا کرتی تھی۔ چنانچہ مرزا غالب کے مطبوعہ رقعوں میں بسملؔ کے نام بھی ایک رقعہ موجود ہے، جس کا جواب امیر حسن نے درج ذیل شعر سے دیا:

ای شمع شرح داغ مپرس از دلم خموش
سوزد کسی کہ گوش بریں داستاں دھد

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

زان کہ در فن بلاغت استاد آمدہ
غالب یکی در حرف و اعداد آمدہ

غالبؔ کے پنج آہنگ کے طرز پر جواباً پنج گلبن کے نام سے ایک کتاب بھی ۱۸۴۴ء میں لکھی۔ نیز فن عروض پر میزان المعانی کے نام سے ایک مختصر رسالہ بھی تصنیف کیا۔ فارسی کا ایک مکمل دیوان بھی موجود ہے۔[۱] ۱۸۴۷ء میں انتقال ہوا۔ ایک قصیدہ بے نقط بہادر شاہ ظفر کی شان میں بھی لکھا، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

للہ الحمد کہ سرکرۂ حکام آمد
مالک ملک کرم داور اسلام آمد
سرور عادل و اکرام کہ در او در دھر
مطلع مھر عطا و مہ اکرام آمد
ھمہ عدل و ھمہ اعطا ھمہ مھر و ہمہ رحم
کہ ھواء در او حاصل ھر کام آمد

یہ اشعار بسملؔ کی نکتہ سنجی، بلند خیالی اور شاعرانہ عظمت و کمال کا بہترین نمونہ ہیں۔ گویا اپنے وقت کے امام سخن تھے۔ چند دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:

آہے زدیم برق سند و برسا رسید
این دود دل نگر ز کجا تا کجا رسید
از وعدہ ھای بوسہ کہ دادی بلب مرا
جان چیزیں چونالہ رسید و بجا رسید
ہر غنچہ خندہ زن بسر شاخ رقص کرد
از کوی او چودست فشار آں صبا رسید

شھد ریزو کلام شیرینم
بربلب او مگر لب من گشت

نہ شود اگر بہ سینہ رہ قاصد نفس گم
دو سہ حرف خون چکانے بلب ارمغان فرستم(۱)

(۱) سخنوران کاکوری، ص۱۱۲

(۲۰) درگا پرساد بسمل لکھنوی

درگا پرساد نام اور تخلص بسمل تھا۔ بسمل کنور لکشمی نرائن کے بھتیجے تھے۔(۱) یہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی۔ درویشانہ طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی اور کارناموں سے متعلق مزید تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا۔ تذکرہ ''روز روشن'' میں ان کے دو اشعار ملتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

مطلع در صفت فوق النقط :

رنگ حنا مگر دل من خون نمودہ است
کامروز رنگ اشک دگرگون نمودہ است

بجان صاف ضمیران ہوس نمی گنجد
بصحن خانۂ آئینہ خس نمیگنجد (۲)

---

(۱) کنور لکشمی نرائن بادشاہ شاہ عالم کی جانب سے صوبہ بنگال کی دیوانی کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس کے بعد دربارشاہی میں مامور ہوئے۔ (روزِ روشن، ص ۹۷)

(۲) تذکرہ روزِ روشن: محمد مظفر حسین گوپامئوی، ص ۹۷

(۲۱) میرزا محمد شفیع بسمل

میرزا محمد شفیع نام اور بسمل تخلص تھا۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ رشتہ میں نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ بہادر کے چچا تھے۔ بھگوان داس ہندی لکھتے ہیں:

''در تقویٰ و صلاح کامل و بہ اکثر علوم و فنون ماہر بودہ از وست:

در دیار زندگانی فرصت آرام نیست
ابلقی چون روز و شب در زیران داریم ما
گرد ہستی را بآہی می توان برباد داد
این قدر بسمل غبار خاطر قاتل مباش''(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، بھگوان داس ہندی، ص۲۳

(۲۲) شیخ احسن اللہ بیتابؔ

شیخ احسن اللہ نام اور تخلص بیتابؔ تھا۔ یہ مرادآباد سنبھل کے پاس قصبہ سیوہارہ کے رہنے والے تھے۔ ایک عرصہ تک یہاں رہے اور اس کے بعد لکھنؤ آ گئے۔ شاعری کا شوق تھا۔ ان کا یہ شعر سفینۂ ہندی میں ملتا ہے:

دل بیتاب ز ہجر توبخون می غلطد
بسمل شوق تو دریاب کہ چون من غلطد(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۳۲

(۲۳)ابوالبرکات بیناؔ

ابوالبرکات قاضی محمد واعظ کے صاحبزادے تھے۔۱۷۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے جدّ امجد قاضی محمد حافظ سے پائی۔عربی و فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ بے حد ذہین تھے جو عبارت ایک بار نظر سے گزر جاتی اسے یادداشت میں محفوظ کر لیتے۔ صاحب کتاب جواہرالانشاء کے مطابق:

''خان رفعت نشان از سخن سنجان روزگار است وخوش خیالان نامدار۔ شاعریسیت شیرین سخن وسخن گوئے است ماہرفن، در نازک بندی وادادانی وبذلہ سنجی یگانۂ عصر و در شستگی کلام ولطیفہ گوئی وادافہمی فسانۂ دہر۔شیرینی مضمونش از جوش حلاوت لب فتادان سخن را بہم می بندد۔ وچاشنی کلامش از لبریز بودن شیرینی دہان بنات فروشان کلام را یک بہ یک شہد وشکرمی سازد وشعر بلندش ناخن بدل زن شعرای عالی مقدار۔ ومصرعہ برجستہ اش چون مصرعۂ ہلال انگشت نمای روزگار......فخر دودمان مجمع کمالات نوع انسان در لیاقت و قابلیت مسلم روزگار و از فصاحت و بلاغت مشہور ونامدار، الحق ہندوستان نژادی را باین جامعیت کمال وکمال جامعیت سخن بسیار۔خوشگو بطلاقت لسان وفصاحت بیان ندیدہ ام۔''(۱)

ابتدا میں شیخ عبدالرضا متینؔ سے کلام پر اصلاح لی اور کلیمؔ تخلص اختیار کیا بعد میں آرزوؔ سے اور اس کے بعد قزلباش خان امیدؔ سے رجوع کیا۔اور آگے چل کر بیناؔ تخلص اختیار

کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ صاحب دیوان تھے لیکن عدم توجہی کے سبب دیوان مرتب نہ ہو سکا۔ تذکرہ روز روشن میں یہ عبارت ملاحظہ ہو:

''بیناؔ، ابوالبرکات خان رئیس قصبہ کاکوری عہدۂ میر بخشی از سرکار رئیس ملک اودھ داشت و بجامعیت فضائل نوع انسانی مرجع خلائق بود۔''(۲)

فن سپہ گیری سے خاص لگاؤ تھا۔ نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں بہت مشہور ہوئے کچھ عرصہ راجہ بنی بہادر کی رفاقت میں بھی گزارا۔ پھر گورکھپور کی فوجداری پر مامور ہوئے۔ خلعت معہ فیل و اسپ و سند محالات متعلقہ و خطاب مظفر الدولہ بخشی الممالک تہور جنگ عطا ہوا۔ اسی زمانے میں شاہ عالم بادشاہ دہلی کا دائرۂ دولت نواح گورکھپور میں مرکز گزین ہوا۔ وہاں سے ''غالب جنگ'' کا خطاب عطا ہوا۔ اسی زمانے میں نواب شجاع الدولہ کی انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ بیناؔ بھی وہیں باغیوں کی سرکشی کو فرو کرنے میں مصروف تھے۔ عمدہ خدمات کے عوض بخشی گری کا عہدہ فوج رسالہ چار سو سوار اور دو ہزار ماہانہ تنخواہ اور خطاب و خلعت ہفت پارچہ معہ شمشیر و اسپ وغیرہ سے سرفراز کیے گئے اور اس کے بعد قصبہ کاکوری کا صوبہ آپ کے سپرد کیا گیا۔

اس کے بعد اگلی تقرری نواب سعادت علی خاں کے استاد کی حیثیت سے ہوئی اور بخشی گری کا عہدہ ان کے بھائی رفعت اللہ کے حوالے کیا گیا۔ نواب شجاع کی وفات کے بعد کچھ روز نواب الماس علی خاں کی رفاقت میں اٹاوہ میں گزارے۔ بالآخر ستر سال کی عمر میں ۱۷۸۷ء میں انتقال ہوا اور محلّہ قاضی گڑھی میں دفن کیے گئے۔ کلام کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

بہ صحرا تا کند نظارہ چشم آن پری رو را
بلند از شاخہا دست دعا گردید آہو را

سوی مستان می زنی چشمک بہ محفل از حباب
دختر رز از تو زین شوخی دل بینا تراست

سرمہ آواز است بینا اصفہانی پیش من
برزبان اہل ایران ہم سخن داریم ما

پریشانیم عزم شہر سودا کردہ ام امشب
تو ان از زلف خوبان بست بینا محمل مارا

فروغ چشم مسیحا ز خاکسار نجف
جلائے آئینہ مہر از غبار نجف

ای سرور داں باز گذر کن بسر ما
چون خار خلد بی تو بہ چشم نظر ما
موی شرم از ضعف نشانم نتوان یافت
باشد کہ مگر نالہ رساند خبرما
از تیغ حوادث کہ علم در کف چرخ است
جزدست دعا کیست کہ گردد سپرما(۳)

(۱) بحوالہ ''سخن وران کاکوری'': حکیم نثاراحمد علوی میخانہ ادب کراچی، ۱۹۷۸ء
(۲) تذکرہ روزروشن، ص (جلد۴، شمع انجمن) بحوالہ کاکوری، ص ۵۰
(۳) سخن کاکوری، ص ۵۱

(۲۴) میر عظیم ثباتؔ

میر عظیم نام، ثباتؔ تخلص۔ ان کی پیدائش ۱۱۲۰ھ (۱۷۰۸ء) میں الہ آباد میں ہوئی۔ سفینۂ ہندی کا مؤلف لکھتا ہے:

''تمام عمر صرف شعر وشاعری کردہ، قریب چہار ہزار بیت گفتہ۔'' (۱)

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

چون شمع تافتاد بہ بزمت گزر مرا
با اشک و آہ زندگی آمد بسر مرا
دل را نوید آمدن او نمیدہم
ترسم بحال خود نگزارد دگر مرا
گر جنون بازکند قابل زنجیر مرا
بسپارید بان زلف گرہ گیر مرا

گفتمش قتل من خستہ چسان خواہی کرد
گفت گاہی بتغافل ہنگامی گاہی (۲)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۴۵
(۲) سفینۂ ہندی، ص ۴۵

(۲۵) جوگل کشور ثروتؔ

جوگل کشور نام اور ثروتؔ تخلص تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ یہاں کی خرابی و تباہی کے بعد لکھنؤ ہجرت کر گئے اور نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازمت حاصل کر لی۔ نواب موصوف نے انھیں بہت عزت و حرمت دی لیکن ثروتؔ کا دل وہاں زیادہ دنوں تک نہ لگا۔ کچھ عرصہ بعد فرخ آباد چلے گئے۔ شاعری کا شوق تھا۔ تذکروں میں ان کا صرف یہ شعر ملتا ہے:

گفتم کے یار من شو، در خاطرت گر آمد
گفتا کہ روی خود بین، حرفی بگو کہ شاید(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۴۷

(۲۶) شیخ آیت اللہ ثناؔ

شیخ آیت اللہ دہلی کے رہنے والے تھے یہیں ان کی پیدائش ہوئی اور بڑے ہوئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں گزارا، ابتدائی تعلیم یہیں پر حاصل کی اور مختلف علوم وفنون سے آراستہ و پیراستہ ہوکر شاعری کی اور شیخ محمد علی حزیںؔ کی شاگردی اختیار کی۔ ثناؔ تخلص استاد حزیںؔ کا ہی بخشا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اودھ آنا ہوا اور یہاں آکر نواب شجاع الدولہ بہادر کے دربار تک نہ صرف رسائی حاصل کی بلکہ ان کے یہاں اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کیا۔ اس کے بعد نواب آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ آ گئے۔ (۱)

شاعری میں ہر طرح کے اشعار کہے ہیں۔ کلام بے حد عمدہ وطرز گفتگو نہایت متین تھا۔ بیشتر قدیم شعراء کے کلام کا تتبع ہے۔ آپ کی رباعیاں زیادہ مشہور ہیں بطورِ نمونہ کلام چند رباعیاں ملاحظہ ہوں:

دور از رخت ز دیدہ پُر آنچہ رفت رفت
قربان شوم تو باش دگر ہر چہ رفت رفت
تو کی در زندگی پرسیدی از شبھای تارمن
کہ بعد از مرگ شمعی برفروزی برمزار من

بامن تو چہ ای سپھر بدخو کردی
سابیدن استخوان من خوکردی

این سرمہ مباد گونشد منظورش
مفتم شرمندہ زان سگ کوکردی

زین حسن بناز شور و غوغا شدنیست
زین زلف دراز فتنہ برپا شد نیست
از قامت تو قیامتی در عالم
امروز اگر نہ گشت فرداشد نیست

گہ بی تو کواکب شب غم میشمرم
گہ وعدہ کنم یا دو قدم میشمرم
القصہ کہ شب ھر چہ شمر دم بگذشت
اکنون چون چراغ صبحدم میشمرم

اشعار کے چند نمونے:

شب ازان وعدہ چہ پرسی بچہ شغلم بگذشت
سوی در دیدن و سرباز بدیوار زدن
گاہ پیکان بدل از ضبط نفس بشکستن
گہ بتنگ آمدن و نالہ بنا چار زدن
گفتم از بادۂ عشق تو خرابم گفتا
کہ ترا گفت چنین ساغر سرشار زدن(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص۴۶
(۲) باغ معانی: ص۴۱

(۲۷) چیت سنگھ چیتؔ

چیت سنگھ نام اور تخلص چیتؔ تھا۔ یہ بنارس کے راجہ تھے۔ چیتؔ کو فارسی ادبیات سے خاص دلچسپی تھی۔ اور یہ اس زبان میں اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آخر عمر میں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے نیز گرفتاری کے سبب روپوش ہو گئے۔ ان کے بارے میں مزید تفصیلات کا علم نہیں ہوتا۔ تذکرہ ''روزِ روشن'' میں ان کا ایک شعر ملتا ہے:

سواد خوانِ خط عارضی تو برکہ نشد
صبا بچشمش ازیں رہگزر غبار انداخت(۱)

(۱) تذکرہ روزِ روشن: مظفر حسین گوپامئوی، ص۱۶۱

(۲۸) شیخ کمال الدین حقیرؔ

شیخ کمال الدین نام اور تخلص حقیرؔ تھا۔ شیخ محمد افضل الہ آبادی کے خلیفہ تھے۔ علم و فضل میں کمال حاصل تھا۔ شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا۔ شعر و شاعری سے شغف تھا۔ ان کے یہ دو اشعار بطورِ نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

از عدم تا بہ عدم خوش سفری در پیش است
لیک در منزل ھستی خطری در پیش است

ھست ز آفات نگہبان خلائق محفوظ
خانہ را حفظ کند قفل و نگہبان خود است(۱)

(۱) سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو: ص۲۹۶

(۲۹) مولوی محمد عوض حکمتؔ

محمد عوض نام اور حکمتؔ تخلص تھا۔ یہ جونپور کے رہنے والے تھے۔ اکثر بنارس جا کر قیام فرماتے۔ شعروشاعری کا ذوق تھا۔ فضل وکمال میں یکتائے زمانہ تھے۔ شاگردوں کا حلقہ بڑا تھا۔ سفینۂ خوشگو میں ہے:

''در فضل وکمال یگانہ وقت بآئین آزادگی بسر می برد اکثر اوقات بہ بنارس تشریف می آرد قضات کرام وطلبۂ علم از و در حساب می باشند بدقائق شعری بسیار می رسد اغلب اوقات بجنون ساختہ می گزراند.....''(۱)

حکمتؔ پر عین نوجوانی میں جبکہ عمر عزیز ابھی تیس سال کی تھی، جنون کا دورہ پڑا جو تاحیات طاری رہا جس کی وجہ سے ہوش وحواس جاتے رہے تھے۔ راہ چلتے تو محلے کے بچے آوازہ کستے اور ان پر پتھر کے ٹکڑے پھینکتے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ بازار سے گزر رہے تھے، بچوں نے اس بری طرح سنگریزوں سے وار کیا کہ لہولہان ہو گئے۔ اس حال میں تھے کہ سرراہ ایک قدیم آشنا سے ملاقات ہوگئی۔ حکمت نے فوراً یہ شعر پڑھا:

سرم از سنگ طفلان لالہ زار است
جنون گل کرد ایام بہار است(۲)

حکمتؔ کا انتقال ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء میں ہوا۔ ان کا ایک اور مشہور شعر ہے جس میں

جنون اور دیوانگی کا خاصا ذکر ہے:

سوئی دریا شد خراماں یا بہاموں رفتہ است
طفل اشکم بے خبر از خانہ بیرون رفتہ است

حیف کہ برگشت زمن چشم یار
کشت مرا گردش لیل و نہار

(۱) سفینۂ خوشگو، ص ۳۰۰
(۲) سفینۂ ہندی، ص ۶۳
(۳) سفینۂ ہندی، ص ۶۳

(۳۰) حافظ حلیم حلیم

نام حافظ حلیم اور تخلص ''حلیم'' تھا۔ دہلی کی تباہی و بربادی کے بعد یہ دہلی سے لکھنؤ آ گئے اور شاہ مینا کی درگاہ پر سکونت اختیار کی۔ باغ معانی کے مطابق:

''ولد مھین شاہ کلیم اللہ از مستفیدان شاہ گرامی پسر بزرگتر محمد عبدالغنی بیگ قبول عزیزیست بلباس فقر در آمدہ...... آمد در لکھنو کہ حالا امن و مسکن آوارہ شدہ ھای ھندوستانست رحل اقامت انداختہ در مسجدی کہ بجناب قدوۃ الاصفیا شاہ مینا قدس سرۂ مسنوبست بوعظ پرداختہ۔''(۱)

شعر و شاعری کا شوق تھا۔ اساتذۂ سخن کے اکثر اشعار انھیں زبانی یاد تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

ز وعدہا کہ بخود کردہ ام یکی اینست
کہ در فراق تو بسیار گریہ خواہم کرد

در محرم ھر کہ جوشد چون حلیم
بی تکلف صاحب ایمان بود

هر سروقدی را نرسد دعویٰ بالا
جز سروقدت سلمہ اللہ تعالی

باور این حرف توان کرد طبیبان از من
می برد ضعف دل آن سیب زنخدان ازمن

چوطباخم نہ تنہا ھست در طبخ کدودستی
بآتش رشتہ ھمچون شانہ دارم مو بمودستی(۲)

ھر گہ کہ پخت بھر کسی ما حضر شود
عمرم چو شمع صرف بطبخ نظر شود

---

(۱) باغ معانی،ص۵۴
(۲) سفینۂ ہندی،ص۶۲

(۳۱) غلام حیدر خان حیدرؔ

اعتمادالدولہ غلام حیدر خان۔ رفعت الدولہ بخشی رفعت اللہ خاں بہادر نصرت جنگ عباسی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ مولوی محمد فاخر الہ آبادی اور دیگر علماء سے پڑھیں۔ طبیعت میں باوجود امارت کے ایک الگ ہی درویشانہ شان تھی۔ اکثر مولانا روم کی مثنوی زیرِ مطالعہ رہا کرتی۔ نصیرالدین شاہ کی سرکار سے دو رسالے ایک حیدرؔ اور ایک ان کے بھائی غلام صفدر خان کے لیے بطور شان امارت مع دو زنجیر فیل وسواران اور شتر سواران تعینات رہے۔ جب آغا میر کا لکھنؤ سے اخراج ہوا تو یہ دونوں بھائی ان کو کانپور تک بحفاظت پہنچانے گئے۔ غرض کہ اکثر و بیشتر بادشاہ و وزیروں کی صحبت میں رہے۔ بادشاہ کی جانب سے دو سو کا ماہانہ منصب بھی حاصل تھا۔ لکھنؤ میں ایک مکان بھی قیصر باغ کے پاس عطا ہوا تھا۔ جس میں آپ نے ایک مسجد بھی بنا رکھی تھی، نماز وغیرہ کے بے حد پابند تھے۔ اکثر مذہبی موضوعات پر شیعہ مجتہدین سے مباحثہ رہا کرتا اور آپ بیشتر غالب آتے، نصیرالدین حیدر بادشاہ نے ان کو اعتمادالدولہ کا خطاب بخشا تھا۔

شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور حیدرؔ تخلص کرتے تھے، نثر میں بھی لکھتے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں کاکوری میں انتقال ہوا۔ اور اپنے خاندانی قبرستان محلّہ قاضی گڑھی میں دفن ہوئے۔ نمونۂ کلام کے طور پر آپ کی یہ رباعی ملتی ہے:

ای شاہ جہاں رافع ظلم و بیداد
این سالگرہ برتو مبارک باد
افزون شودت عمر ز عقد ہرسال
چوں صفر کہ افزود بسلک اعداد(۱)

(۱) سخنورانِ کاکوری:ص۲۸۰

(۳۲) پنڈت بنارسی داس کشن نرائن حیرآن

بنارسی داس کشن نرائن نام اور تخلص ''حیرآن'' تھا۔ والد کا نام پنڈت سدا سکھ تھا۔ حیرآن ایک عرصہ تک لکھنؤ میں رہے اور بعد میں بنارس چلے گئے۔ یہ منشی لکشمی نرائن رفیق کے شاگرد تھے۔ اکثر اچھے اشعار کہتے تھے۔ ان کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں:

مارا بسر جز سر زلف تو سری نیست
جز چشم تو در ہر دو جہانم نظری نیست
در باغ جہان ہمچو تو ای خسر و خوبان
شیرین دھنی گلبدنی سیم تنی نیست
حیران شدہ مہمان غم وخون خورم از شرم
کاینجا بجز از لخت جگر، ما حضری نیست(۱)

---

(۱) تذکرہ روزِ روشن: مظفر حسین گوپامئوی، ص۱۶۱

(۳۴) میر خورشید علی خورشیدؔ

خورشید علی نام اور تخلص ''خورشیدؔ'' تھا۔ یہ اودھ کے مشہور و معروف قصبۂ بلگرام کے تھے۔ اپنے چچا نورالحسن خان بہادر کے ساتھ سر رشتۂ روزگار تھے۔ شروع شروع میں اردو اشعار کہتے تھے۔ فارسی زبان پر عبور کامل حاصل تھا۔ جس کی بدولت اچھے اور عمدہ اشعار کہتے تھے۔ ان کے فارسی اشعار کا نمونہ یہ ہے:

گر نباشد بحریم حرمش بار مرا
بس دران کوی بود سایۂ دیوار مرا
ز پہلوی دل بیتاب نیست تاب مرا
خراب ساختہ ایں خان و مان خراب مرا
میکشد دل بہ بیاباں جنوں باز مرا
تاچہ آرد بسر ایں خانہ بر انداز مرا

نگار آمدہ با ساغر شراب امشب
مہ دو ہفتہ بکف دارد آفتاب امشب

سر زیر دم تیغ بیکبار نہادم
آخرز سر دوش خود این بار نہادم

رباعی:

این دست کہ دست بستہ میکردی کار
یکہ درس ز پنجہ تا بباز و ست ذگار
این دست کہ بار دوشہا برمیداشت
از درد کنوں شدہ است بردوشم بار(۱)

(۱) سفینۂ ہندی،ص۷۰

(۳۴) میر افضل اللہ خوشترؔ

نام افضل اللہ اور تخلص ''خوشترؔ'' تھا۔ یہ میرزا افضل سرخوشؔ کے بیٹے تھے، اور خط نستعلیق بہت عمدہ لکھتے تھے۔ فارسی اشعار کہہ لیتے تھے۔

سفینۂ ہندی میں لکھا ہے:

''ولد میرزا افضل سرخوش صاحب کلمات الشعراء خط نستعلیق مینوشست۔''(۱)

خوشترؔ نہایت شیریں زبان تھے، رباعیاں بھی کہتے تھے۔

رباعی کا نمونہ یہ ہے:

از بسکہ ز عشق اعتبارست مرا
ہر دم بشکر بی مدار است مرا
از قاسم قناد گزشتم خوشتر
با یوسف مصری سروکارست مرا(۲)

باغ معانی میں اس رباعی کی وضاحت اس طرح ملتی ہے:

''لطف لفظ مصری کہ بزعم خود شاعر درین رباعی گذاشتہ برزبان اھل فارس لطف ندارد کہ لفظ ھندی است۔''

رباعی کا ایک دوسرا نمونہ:

بسکہ سر گرم فنادیدہ ام مانند شمع
قطع راہ زندگانی را بیک پا میکنم
می شود وا ھمچو گل از رشتہ کارم گرہ
غنچہ ای بند قبایش را گروامیکنم

(۱) سفینۂ ہندی،ص۴۷

(۲) باغ معانی:ص۵۷

(۳۵) مرزا سلامت علی دبیرؔ

مرزا سلامت علی نام اور دبیرؔ تخلص تھا۔ والد کا نام مرزا غلام حسین تھا، دبیرؔ کی پیدائش ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) (۱) میں بلی ماران دہلی میں ہوئی۔ دوسرے مہاجرین شعراء واہل فن کی طرح دبیرؔ کے والد بھی دہلی سے ہجرت کر کے لکھنؤ آ گئے۔ چند سال بعد دہلی گئے بھی تو فضا سازگار نظر نہیں آئی تو پھر لکھنؤ کی سکونت اختیار کر لی۔ دبیرؔ کی تعلیم وتربیت اسی شہر میں ہوئی۔

شعروسخن کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ شاعری میں میر ضمیرؔ کی شاگردی اختیار کی اور جلد ہی نمایاں شہرت حاصل ہوئی۔ شاعری میں مرثیہ گوئی کی جانب آپ کا رجحان زیادہ تھا لہٰذا اس صنف میں آپ کے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مرثیے ملتے ہیں۔ اس دوران معروف مرثیہ گو میر انیسؔ بھی فیض آباد سے لکھنؤ آ گئے۔ انیسؔ و دبیرؔ کے درمیان اکثر ادبی معرکہ آرائیاں ہوتیں، لیکن ساتھ ہی نئے نئے مضامین وتشبیہات نے اس فن کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ یہ دور اکثر و بیشتر کتابوں میں انیسؔ و دبیرؔ کے نام سے معروف ہوا۔

جہاں تک کلام کا تعلق ہے، مرزا دبیرؔ کا بیشتر کلام اردو زبان میں ملتا ہے، لیکن فارسی زبان میں بھی وہ نہایت فصیح اشعار کہتے۔ اکثر خطوط کی زبان بھی فارسی ہی ہوتی۔ (۲) آپ کا انتقال ۱۸۷۵ء/۱۲۹۳ھ میں لکھنؤ میں ہوا۔ اور یہیں تدفین ہوئی۔

کلام کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:(۳)

رباعی کا نمونہ جو امام حسینؑ کی ذات کے حوالے سے ہے:

در کوچہ عشق بود کامل شبیر
بردوست نثار بود از دل شبیر
آن جلوہ کہ دیدہ بود موسیٰ بر طور
می دید بہ زیر تیغ قاتل شبیر

عشق الٰہی کے مدارج بیان کرتے ہوئے منزلِ عشق کی بابت کہتے ہیں:

برظلم تو سینہ نبیؐ چاک گواہ
وان شاہ فلک فتادہ برخاک گواہ
ماندی بعثت کہ غایتت گشت تلف
لولاک لما خلقت الافلاک گواہ

یزید خرم و خندان دل رسولؐ دو نیم
بکوفہ جشن و بہ اھل حرم ملال عظیم
فغان ز گردش دوران و آسمان لئیم
چراشود نہ بسال سوم سکینہ یتیم
بلند مرتبہ شاھی ز صدر زین افتاد
اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد

اس رباعی میں صنعت ترصیع کا نہایت خوبصورتی سے استعمال کیا ہے:

جانم بہ فدای تو ابا عبداللہ
نطقم بہ ثنای تو ابا عبداللہ

با آن بیوفاپی اهل ستم
کم شد نه وفای تو ابا عبداللہ

مرزا دبیرؔ اکثر تاریخی قطعات وغیرہ بھی نظم کرتے تھے مثال کے طور پر درج ذیل قطعہ جس میں مشتری دولہا کی جگہ اور زہرہ کو دلہن کی جگہ لکھ کر تاریخ نظم کی ہے یہ قطعہ محسن الدولہ کی بیٹی کے عقد کے موقع پر کہا تھا جو ۱۸/جولائی ۱۸۶۰ء کے اودھ اخبار میں شائع ہوا تھا۔(۴)

قطعہ عقد دختر محسن الدولہ بہادر ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء

ای جناب فلک ایوان کواکب دربان
نیر اعظم برج مشرف فضل و کرم
نام نامی بذل داد صلای احساں
محسن الدولہ بھادر شدہ بر لوح قلم

(۱) اودھ میں اردو مرثیہ
(۲) رسالہ کتاب نما (جلد ۵۶)، مکتوبات دبیر، از یاسر عباس، ص ۳۶،
(۳) دبیر: شمارہ ۳، میرزا دبیرؔ کی فارسی شاعری: یاسر عباس غازی، ص ۳۵
(۴) اے کریٹکل اسٹڈی آف پرشین ورکس آف مرزا سلامت علی دبیرؔ: ڈاکٹر یاسر عباس، ص ۱۱۹

(۳۶) رائے دولت رام دولتؔ

دولت رائے گوردیال کا شمار اودھ کے فارسی شعرا میں ہوتا ہے۔ یہ نواب آصف الدولہ کی سرکار سے وابستہ تھے۔ ان کے والد راجہ پڑ چند نواب شجاع الدولہ بہادر کے زمانے میں سرکار کے محکمۂ خزانہ اور کارخانہ کے نگراں اور مالک تھے۔ ساری ذمہ داریاں انھیں کے سپرد تھیں۔ دولتؔ کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی اپنے والد (راجہ پڑ چند) کے انتقال کے بعد نواب آصف الدولہ کے عہد میں یہ اس عہدہ پر مامور ہوئے۔ انھیں شعروشاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ شعروسخن میں ''دولتؔ'' تخلص کرتے تھے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

لاغر شدہ ام ز رنج عشقت
گویا تن من پر گیاہ است(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۷۴

(۳۷) میر اولاد محمد خان ذکاؔء بلگرامی

میر اولاد محمد خان نام اور ''ذکاؔ'' تخلص تھا۔ یہ میر غلام امام کے بیٹے اور آزاؔد بلگرامی کے بھتیجے تھے۔

۱۱۵۱ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔(۱) ابتدائی تعلیم و تربیت اسی شہر میں چچا کی زیر سرپرستی ہوئی۔ اس کے بعد ۲۱ سال کی عمر میں آزاؔد بلگرامی کے ساتھ پانچ سال کے لیے اورنگ آباد چلے گئے۔ اور مزید تربیت یافتہ ہوکر اپنے وطن بلگرام واپس آئے۔ دو سال بعد دوبارہ دکن کی جانب روانہ ہوئے۔ جہاں نواب نظام علی خاں بہادر نے انہیں ''خان'' کے خطاب سے نوازا۔ شعروسخن میں آپ کا جواب نہ تھا۔ شعر پر اصلاح اپنے چچا سے لیتے تھے۔ تاریخ گوئی میں خاصی مہارت تھی۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

تا بہ سوزد کشتۂ خود را بداغ تازہ
بر مزار غیر افروزد چراغ تازہ(۲)

قدرت اللہ اپنے تذکرے میں ذکاؔء کے متعلق لکھتے ہیں:

''صاحب فکر بلند طبع رسا میر اولاد محمد خاں متخلص بہ ذکاؔء برادرزادۂ...... در سخن پردازی ممتاز بود وطریق نظم بخوش اسلوبی می پیمودے''(۳)

۱۲۰۰ھ کے آس پاس ذکاؔء کا انتقال ہوا، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ھر شمع کہ آمد بنظر چشم تری داشت
سوزد پروانہ قیامت اثری داشت

ھزار مرتبہ کفارۂ گناہ دھد
بسہو گر گزارش بر مقام ما افتد

گذشت آن تندخو مانند ناوک از کنارمن
تھی گردید آخر چون کمان حلقۂ آغوشم

---

(۱) بلگرام کے فارسی شعراء، ص ۱۷۷
(۲) سفینہ ہندی، ص ۸۰
(۳) نتائج الافکار، ص ۲۵۹

(۳۸) محی الدین ذوقؔ

ذوقؔ مفتی حکیم الدین خاں کے بیٹے اور مولوی نجم الدین علی خاں کے پوتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دوسرے علمائے زمانہ سے حاصل کی۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی اور شہرت حاصل کی۔ شروع میں فارسی کے لیے استاد منشی محمد مہدی جہاں آبادی سے اور اردو میں مرزا خانی نوازش لکھنوی (شاگرد میر سوزؔ) سے شاگردی اختیار کی اور بعد میں خود بھی استادی کا شرف حاصل کیا۔ آگے چل کر غلام مینا ساحرؔ کاکوروی کے شاگرد ارشد کہلائے جنھوں نے غلام ہمدانی مصحفیؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ ان کے دو مکمل دیوان فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ جن میں شعر کے ساتھ نثر کے مجموعے بھی شامل ہیں۔ چند رسالے مختلف مباحث پر مثلاً توثیق المقاصد، اسرار المعرفت، مقالید العروض نیز تاریخی نظمیں وتقریظیں وغیرہ مطبوعہ ہیں۔ تاریخ گوئی میں آپ کا جواب نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس فن میں سخنوران کاکوری میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ تذکرۂ صبح گلشن کی عبارت کے مطابق:

''ذوق- مولوی محی الدین خاں ثمرۃ الفواد مولوی محمد حکیم الدین خان بہادر خلف الصدق قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان کاکوری، مولد ومسکن است دیوان شعر وسخن بل ایوان ہر علم وفن بذات مجتمع صفاتش مزین۔ امروز در قصبہ کاکوری بہ میدان نظم ونثر

فارسی کوس لمن الملکی می زند.....'' (تذکرۂ صبح گلشن: نواب علی حسن خاں تسلیم، ص:)

ذوقؔ غالب کے ہم عصر تھے لہٰذا اکثر وبیشتر مرزا غالبؔ سے خط و کتابت ہوا کرتی۔۳؍ جمادی الآخر ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔اور چاند محل کاکوری میں تدفین ہوئی۔خود حالت نزع میں اپنی تاریخ یوں بیان فرمائی:

دریں سال ھ یقین داشتم
کہ مرگم نصیب است پنداشتم
زہاتف سن فوت خود خواستم
بگفتا بگو ذوقؔ برخاستم

۱۳۰۳ھ

شعر وسخن سے شروع سے ہی دلچسپی تھی، فارسی میں کھل کر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے۔اپنے معاصرین میں بلند مقام ومرتبہ حاصل کیا۔

نمونۂ کلام:

بھر خاکی کہ خون گریم بھاری می شود پیدا
کشایم سینہ ہر جا لالہ زاری می شود پیدا
زبس در خاک ہر دم حسرت مرغولہ مویان را
بخود پیچیدہ از خاکم غباری میشو پیدا

می کشد دل بسوی یار مرا
جذب او کرد بی قرار مرا
نہ نہم خون خود بہ گردن یار
ہاں مگر کشت انتظار مرا

چه کنم خواهش چمن کز داغ
بس بود سینه لاله زار مرا

چو برق دلم بی تو شراری شد و برخاست
دود از جگرم ابر بهاری شد و برخاست
ای شمع چه پرسی که چه شد ذوق ز بزمم
پروانه صفت برتو نثاری شد و برخاست

(۳۹)منشی بھگونت رائے راحتؔ

بھگونت رائے نام اور ''راحتؔ''، تخلص تھا۔ ان کے والد منشی دین دیال کایستھ قوم سے تھے۔ راحتؔ لکھنؤ کے قصبہ کاکوری کے رہنے والے تھے۔ یہ فارسی کے جید عالم تھے۔ فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ آغا سید حسن امانتؔ لکھنوی سے شاگردی حاصل کی۔ مذاق سخن شائستہ تھا۔ افسوس کہ ان کے کلام کا کوئی نمونہ حاصل نہ ہوسکا۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں انتقال ہوا۔(۱)

(۱) تذکرہ بہار سخن: شیام سندر داس، ص ۱۶۵

(۴۰) بختاور سنگھ راقمؔ

بختاور سنگھ نام اور تخلص ''راقمؔ'' تھا۔ راقمؔ قوم کے کایستھ تھے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے بیٹے جواہر سنگھ جوہرؔ فارسی کے صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں۔[۱] راقمؔ کے بارے میں مزید تفصیلات کا علم نہیں، البتہ ان کے کلام کے نمونے تذکروں میں درج ہیں۔ یہاں ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔[۲] شاعر نے کس خوش اسلوبی سے مراعات النظیر کا استعمال کیا ہے:

ای بشیرینی لبانت رشک شین، کاف، وری
آرزو دارم کہ بخشی بے و واوَ و سین وہی
قاف و دال تست رشک قد سین و ری و واوَ
حیرت افزای مہ و خورشید داری رے و خے

(۱) تذکرہ صبح گلشن: نواب علی حسن خان، ص۱۷۲
(۲) ایضاً

(۴۱) راجہ بھاگ مل رنج

بھاگ مل نام اور تخلص رنج تھا۔ یہ مول چند کھتری کے بیٹے تھے۔ رنج سرب سکھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ ان کے متعلق مزید تفصیلات کا علم نہیں ہوتا۔ تذکرہ ''روزِ روشن'' سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ رنج نے نوجوانی میں ہی وفات پائی۔ ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

بی گل رویت ہمیشہ بہار
در خزاں شد مرا بہار افسوس
بعلط ھم نیامدی درخواب
رفت عمرم در انتظار افسوس
تو زمن میکنی کنارہ ومن
پُر ز خون میکنم کنار افسوس(۱)

(۱) تذکرہ روزِ روشن: مظفر حسین گوپاموی، ص ۳۵۵

(۴۲) رائے جے سکھ رائےؔ

جے سکھ رائے نام اور ''رائےؔ'' تخلص تھا۔ نواب سعادت علی خاں کی سرکار سے وابستہ تھے۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ شعر و سخن کا ذوق تھا اور انداز بیان بھی دلکش تھا۔ ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں وفات پائی۔ ان کا یہ شعر ''بہارستان- اودھ'' میں ملتا ہے:

کدامی نازنین پیکر ز مصر نازمی آید
کہ یوسف در رہش از دیدہ فرش انداز میآید(۱)

---

(۱) بہارستان اودھ: عاشق عبداللہ، ص ۵۸

(۴۳) غلام مینا ساحرؔ

شیخ فضل حق عرف غلام مینا ابن شیخ فضل امام، ساحرؔ تخلص تھا۔ مولانا حسین بخش شہید ابن شاہ میر قلندر کے ہم جماعت تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں دہلی آئے اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۸۲۴ء) کی خدمت میں حاضری دی۔ شروع میں ساحرؔ کو علم وادب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ اس سلسلے میں آپ کے والد نے مرزا مظہر جان جانان سے رجوع کیا اور کہتے ہیں کہ ان کی دعاؤں کا ہی ثمرہ تھا کہ ساحر علم وادب کی جانب مائل ہوئے اور روز بروز آپ کا علمی وادبی ذوق بڑھتا گیا۔ شاہ غلام علی نے آپ کو ''غلام مینا'' عرف اور ساحرؔ تخلص عطا کیا۔ ابتدا میں مصحفیؔ کی شاگردی اختیار کی اور آگے چل کر مرزا قتیل سے بھی رجوع کیا۔ اس طرح شعر گوئی اور نثر نویسی میں یکتائے روزگار ہوئے۔ آپ کے تبحر علمی، نکتہ سنجی اور شعر گوئی و نثاری کی تعریف نواب نورالحسن نے اپنے تذکرہ نگارستان سخن میں اس طرح کی ہے:

''تلمذش مصحفی را سرمایۂ افتخار و شاگردیش قتیل را راس المال عز و افتخار۔''

احمد حسین سحرؔ نے تذکرہ 'طور معنیٰ' میں لکھا ہے کہ اس دور میں اودھ میں ان کی شاعری کا ڈنکا بج رہا تھا۔ آپ کی بدولت اس زمانے میں نہایت بلند و معیاری بزم سخن آراستہ تھی، آپ کا انتقال ۱۸۳۵ء میں کاکوری میں ہوا اور اپنے خاندانی قبرستانی تکیہ شریف کاظمیہ

میں دفن کیے گئے۔

آپ کی تصنیفات حسب ترتیب ذیل ہیں:

(۱) نثر ساحر- فارسی زبان میں رقعات ونثر کا مجموعہ ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔

(۲) دیوانِ ساحر- فارسی غیر مطبوعہ

(۳) مثنوی ساحر-۱۹۲۱ء میں طبع ہوئی۔

دیوانِ ساحرؔ کا ایک قلمی نسخہ دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔[۱] جو کسی زمانے میں پنڈت موہن لال کی ملکیت تھا۔اس دیوان کے آغاز میں ساحرؔ کے شاگرد مومن علی خاں مفتوں کا نثری مقدمہ ہے۔اس دیوان میں ساحرؔ کے تحریر کردہ چند رقعات بھی موجود ہیں جو منشی دین دیال، مولوی محمد مہدی، قاضی محمد صادق اخترؔ، فقیر محمد خاں وغیرہ کے نام لکھے گئے ہیں۔نثر کے دو اور بھی نمونے ہیں جن میں لکھنؤ کے طاعون (بیماری) اور سیلاب وطوفان کا ذکر ہے۔نمونۂ کلام:

آشوب زمانہ دلبرہای سخن است
غارت گرہوش ماجرای سخن است
آزادہ دلان اسیر دام دگراند
بیگانۂ خلق آشنای سخن است
ای خوشا باغ بے خزاں سخن!
چندانخل گل فشاں سخن!
ازین جا عنان فرس یافتم
زمیدان دیگر نشان یافتم

اسی دیوان میں تین خطوط مثنوی کی صورت میں بھی ملتے ہیں،اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:

طرازم بنام خدا نامہ را

زبان سخن واکنم خامہ را
ز درد جدائی فغاں می کشم
تو گوئی ز پہلو سنان می کشم
وبالِ نظر سیر گلزار شد
رگ گل بپای نظر خارشد
سخن در سخندان سخن گستراست
بدرد سخن مہدی دیگراست
کنون ہرچہ گفتم فراموش کن
اگر نکتہ دانی غزل گوش کن

ان خطوط میں اشعار کی تعداد مع غزلوں کے ۲۲۸ ہے۔ کتابت ۵/ جمادی الثانی کو منشی ہادی علی علوی نے کی ہے۔ سال کتابت ۱۲۰۹ھ پڑھا جاتا ہے۔ ممکن ہے ۱۲۵۹ھ ہو۔

خطوط کے بعد ایک مختصر مثنوی ہے جس میں کسی نوجوان کی داستانِ غم بیان کی گئی ہے۔ اس میں ۲٦۸ /اشعار ہیں۔ مثنوی کے بعد غزلیں ہیں جس میں ۱٦۴۵ /اشعار ہیں۔ پہلی غزل کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

بخلوت گاہ دل جائی مدہ شکل خیالی را
تجلی گاہ شمع طور کن این بزم خالی را

بیشتر غزلیں ساحرؔ نے مظہرؔ جان جاناں، بابا فغانی، صائبؔ، کلیمؔ، حزیںؔ وغیرہ کے طرز پر کہی ہیں۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چشم شوخی کہ بماداشت نگاہی گاہی
آن ہم از بیم رقیبان سر راہی گاہی

بچہ تقریب شمی بزم بساط افروزم
منکہ در خواب ندیدم رخ ماہی گاہی
بس کہ افسردہ دل از دہر گذشتی ساحر
بر مزار تو نہ شد سبز گیاہی گاہی

جگر خون کند نالۂ عندلیبی
کہ در فصل گل آشیانی ندارد

---

(۱) سخن وران کاکوری: ص۲۸۴
مضمون ساحر کاکوروی از ڈاکٹر امیر حسن عابدی، قومی زبان، جولائی، ۱۹۷۱ء

(۴۴) زاہد علی خاں سخا

ایران کے معروف شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور پانچ ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد برہان الملک سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور انھوں نے ہفت ہزاری منصب کے وعدے کے ساتھ انھیں دعوت دی، جسے انھوں نے قبول فرمایا۔ شعر وسخن سے خاص شغف تھا۔ مثال کے طور پر ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ز عشق یار چہ گویم کہ حال من چون ست
غمم بدورش خطش از احاطہ بیرون است
ندانم از چہ شدی سنگدل کہ بیمارت
بجاں رسید و نپرسید حال اوچونست
روشن دلیم و خاک نشینی غبار ما ست
سیماب وارکشتہ شدن اعتبار ما ست

(۴۵) لچھمی رام پنڈت سرورؔ

لچھمی رام پنڈت نام اور تخلص ''سرورؔ'' ہے۔ سرورؔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش، وفات کا سنہ تذکروں میں مفقود ہے، جس کی وجہ سے سرورؔ کے صحیح عہد کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ ''گلستان سخن''(۱) سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ سرورؔ نوابین اودھ کی سرکار میں میر منشی کے عہدے پر فائز تھے۔

فارسی زبان سے انھیں خاص لگاؤ تھا۔ انھوں نے فارسی زبان کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اس زبان میں شعروشاعری کی شروعات کی۔ ان کے چند اشعار تذکرۂ ''گلستان سخن'' میں ملتے ہیں:

بیتو جان بر لبم و ذوق طپیدن باقی ست
یک نفس فرصت و صد نالہ کشیدن باقی ست
غنچہ سان بے تو بس خون جگر خوردم و آہ
چون گل از دست غمت جامہ دریدن باقی ست

شبی کسی بہ راو طپید و ہیچ نگفت
چہ نالہا کہ ز دل برکشید و ہیچ نگفت

ہلاک شیوۂ آن سرکشم کز استغنا
مرا طپان بسر راہ دید و ہیچ نگفت
ز درد دل بدرش دوش زار نالیدم
فغان کہ آن محبت بدخو شنید و ہیچ نگفت
وفاے سرور شیدا نگر کہ در عشقت
ہزار جورو جفاہا کشید و ہیچ نگفت

(۱) گلستان سخن: قادر بخش صابر، ص ۲۶۵

(۴۶) سعید الدین خان سعیدؔ

سعیدؔ، قاضی القضاۃ مولوی نجم الدین علی خاں بہادر ثاقبؔ کے صاحبزادے اور ملا حمیدالدین محدث کے پوتے تھے۔ ۱۷۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ سعید تخلیق کرتے تھے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد اور ملا عماد الدین و مولوی فضل اللہ نیوتنی سے حاصل کی۔ گلشن بیخار میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے آپ کا ذکر کیا ہے۔ ''طور معنی'' میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے، اسی طرح ''صبح گلشن'' نے بھی جہاں آپ کا تذکرہ کیا ہے وہاں آپ کے علم اور شاعرانہ لیاقت کو سراہا ہے۔

> ''سعید، ممتاز العلماء قاضی محمد سعید الدین خان بہادر خلف ارشد و اکبر اقضی القضاۃ محمد نجم الدین علی خاں بہادر ثاقبؔ کا کوری موطن بود، در جمیع محامد و اوصاف بشری و صفات وہبی و کسبی از امثال واقران گوئی سبقت می ربود۔ از علمای لطیف الطبع قایل بہ نظم و نثر فارسی وارد واست......۱۲۶۲ھ جہان گذران را گذاشت۔''(۱)

منشی احمد حسین سحرؔ تذکرۂ ''بہار بےخزاں'' میں لکھتے ہیں:

> ''سعید ......بجمیع اوصاف صوری و معنوی آراستہ و پیراستہ شہرت و ہمت وجود وفضائلش ہمچو آفتاب عالمتاب از مردم انتخاب عالم است پیوستہ بعمدہ روزگاری بسر کردہ درفن شعر رتبہ عالی دارد۔''(۲)

فارسی و اردو میں اچھے اشعار کہتے تھے۔ ان کے بہت سارے اشعار وقصائد دست

بردزمانہ سے تلف ہوگئے۔ وفات ۲۱/ذی الحجہ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور اپنے مکان میں جو محلّہ قاضی گڑھی میں واقع تھا، دفن ہوئے۔ کلام کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

یار ما را چو بہ اغیار سری پیدا سعد
درد دل داشتم و درد سری پیدا شد

بنام آنکہ عاشق کام از و یافت
بشغل عشق الہام از و یافت

چراغ افروز باز از آتشِ گل
چمن آوازہ آب چشم بلبل

(۱) صبح گلشن
(۲) تذکرہ بہارِ بےخزاں وسخنوران کاکوری، ص۲۰۴

(۴۷) مرزا ابراہیم بیگ شرؔر

ابراہیم بیگ نام اور تخلص ''شرؔر'' تھا۔ ان کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی کہتے تھے۔ نوازش حسین خاں نوازؔش کے شاگرد تھے۔(۱) ''سخن شعراء'' میں لکھا ہے کہ:

''شاگرد نوازش حسین خاں نوازؔش بیشتر فارسی کہتے تھے۔''(۲)

دیگر تذکروں مثلاً ''گلشن ہمیشہ بہار'' میں لکھا ہے:

''مرزا ابراہیم بیگ بنوازش حسین خان نوازؔش تخلص بنازک خیالی ہا خیال موزون فن سخن از قانون سینہ ترا دیدے از دست......''(۳)

اور مجموعۂ نغز میں یہ ہے:

''اصلش از دریائے اٹک آنرو مولدش بلدۂ لکھنؤ است مرد فصیح زبان وخوش بیان بود بیشتر شعر فارسی میگفت، گاہے ریختہ ہم موزوں میکرد۔''(۴)

---

(۱) گلشن بے خار: نواب مصطفیٰ خاں شیفؔتہ، ص ۱۴۹

(۲) سخن شعراء: عبدالغفور نساؔخ، ص ۲۴۳

(۳) گلشن ہمیشہ بہار: نصر اللہ خان خویشگی، ص ۱۹۳

(۴) مجموعۂ نغز (جلد ۱): قدرت اللہ قاسم، ص ۳۴۱

(۴۸)مرزا محمد رضا شکوہؔ

محمد رضا نام اور شکوہؔ تخلص تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ کبھی کبھی ریختہ بھی کہہ لیتے تھے۔ شاعری میں مرزا محسن قتیلؔ کے شاگرد تھے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے:

''شکوہ تخلص محمد رضا لکھنؤ نژاداست مرزا قتیل اوراا ستاداست۔''(۱)

دیگر:

''از سکنۂ لکھنؤ واز تلامذۂ مرزا محسن قتیل است شعر فارسی میگوید گاہی ریختہ ہم از طبع صافش تراوش میکند۔''(۲)

---

(۱) گلشن ہمیشہ بہار: ص۱۹۴، گلشن بے خار: ص۱۵۱

(۲) مجموعہ نغز (ج۱): ص۳۴۶

(۴۹) راجہ بھگوان سہائے شہیدؔ

بھگوان سہائے نام اور تخلص شہیدؔ تھا۔ یہ مشہور مصنف اور شاعر راجہ رتن سنگھ زخمیؔ کے نانا تھے۔ ان کے متعلق مزید تفصیلات نہیں ملتیں البتہ اشعار کے نمونے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

فریاد ازین شہر پر آشوب کہ طفلی
ولی ہیچ مراکشتہ و فریاد رسی نیست(۱)

لب شکوہ وا مگردان بجفا یاری خومکن
اگر ای دل بلاکش ہوس وصال داری

(۱) روزِ روشن: ص۳۶۸

(۵۰) جے جے رام صبؔا

نام جے جے رام اور تخلص ''صبؔا'' تھا۔ یہ سیتا رام کے بیٹے تھے۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ایک عرصہ تک ان کا قیام لکھنؤ میں بھی رہا۔ اخیر عمر میں دوبارہ بنارس چلے گئے۔ شعر و سخن میں منشی لکشمی نرائن کے شاگرد تھے۔ ان کا یہ شعر ہے:

زبان شکر کہ گہ در دہان زخم من پیکان
چو تیر ناز بہر قتلم آن سفاک بر دارد(۱)

(۱) روزِ روشن، ص ۳۸۱

(۵۱)منشی گوبند لال صبا

نام گوبند لال اور تخلص صبا تھا۔ والد کا نام منشی گوکل چند تھا۔ صبا لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ء) میں پیدا ہوئے۔ان کے حالات زندگی تذکروں میں نہیں ملتے۔البتہ امیر مینائی نے اپنے تذکرے میں صبا کی چند خوبیاں ضرور بیان کی ہیں ملاحظہ ہو:

> ''صبا،علوم معنی، بیان،عروض،قافیہ،معمہ،حساب جبر ومقالہ،جغرافیہ،تاریخ،مساحت وفلاحت وغیرہ میں دستگاہ خاص رکھتے تھے نقاشی،مصوری،نستعلیق وناگری،انگریزی اور ناخن نگاری میں بدرجۂ کمال آ گاہی رکھتے تھے۔''(۱)

نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

ستان او چو فشارد بہ بیستون انگشت
بر آورد غم شیرین ز سینۂ فرہاد
ز فرط وسوسہ بد خواہ او بغم باشد
چنان کہ مفلس مسکین ز کثرت اولاد
چہ طرفہ صبح کہ بر روی صاف روز ازل
ز خاک مقدم خود غازہ طرب مالید

چہ طرفہ صبح کہ در چشم باز شام ابد
ز گرد دامن خود سرمۂ سرور کشید

(۱) تذکرہ انتخاب یادگار: امیر مینائی، ص۱۹۲
(۲) تذکرہ انتخاب یادگار، ص۱۹۲

(۵۲) رائے بالک رام صبوریؔ

بالک رام نام اور تخلص ''صبوری'' تھا۔ یہ راجہ رتن سنگھ زخمیؔ کے والد تھے۔ صبوریؔ نواب آصف الدولہ کے زمانے میں ''میر آتش'' کے عہدہ پر فائز تھے۔ افسوس کہ ان کی زندگی کے مزید حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

سر بازی من دیدی و راندی زدر خود
قربان شومت حاصل آن بندگی این بود

گر یار سر وفا ندارد تاثیر دعا و زاری ماست
جان زود بدر مزن کہ جاناں غمگین زنفس شماری ماست

ایک دوسری جگہ بھی ان کے بارے میں مختصر معلومات ملتی ہیں:

''رای بالک رام لکھنوی پدر مھاراجہ رتن سنگھ زخمی ست و در سرکار والیان اود خدمت میر آتشی بنامش مسلّم بود و آثار توپخانہ بالک گنج مرتبۂ اوھنوز در لکھنؤ باقیست۔'' (۲)

اس کے علاوہ صبوریؔ مہاراجہ جھاؤ مل کے نائب بھی تھے۔ جھاؤ مل نواب شجاع الدولہ کے عہد میں داروغۂ اصطبل تھے۔ جب نواب آصف کا دور آیا تو انھوں نے جھاؤ مل کو

راجہ کے خطاب سے نوازا اور عہدے میں ترقی بھی دی۔
صبوری کی تاریخ وفات تذکروں میں مذکور نہیں ہے۔

---

(۱) نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان: ص ۱۳۸

(۲) تذکرہ روزِ روشن: ص ۴۷۲

(۵۳) رائے منولال صفاؔ

منولال نام اور تخلص ''صفاؔ'' تھا۔ ان کے والد راجہ پورن چند لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ صفاؔ کی پیدائش بھی یہیں ہوئی۔ علوم عقلیہ اور نثر نویسی کے علاوہ صفاؔ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ نمونۂ کلام مندرجہ ذیل ہے:

سزای جور تو این بود کاین فلک چندی
ترا بہچو تو بیمہر آشنا می کرد
بیمم از تشنگی روز جزا نیست صفاؔ
کہ امید کرم از ساقی کوثر دارم

رباعی:

اکنون کہ شباب رفت و پیری آمد
وز انس بخاک ناگزیری آمد
بیہودہ چہ در کشا کش ہمچو کمان
بنشیں کہ زمان گوشہ گیری آمد(۱)

---

(۱) روزِ روشن، ص ۳۹۰

(۵۴) شیخ محمد طاہرؔ

محمد طاہر الہ آبادی نام، اور تخلص ''طاہرؔ'' تھا۔ یہ شیخ محمد یحییٰ معروف بہ شیخ خوب اللہ کے بیٹے تھے۔ علوم وفنون کی تحصیل سید جار اللہ الہ آبادی سے مکمل کی۔ موصوف نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ کئی ایک پر شرح وحواشی بھی لکھے۔ آخر عمر میں ''فصوص الحکم'' کی شرح تالیف کی۔ بھگوان داس ہندیؔ نے لکھا ہے:

''مولف ید بیضا مینویسد کہ اونظر برصفحہ می انداخت پیش از خواندن یا بعد آن کہ مطالعہ کرد، چون بعد مدت بدرس می نشست ہمہ از برداشت وجمیع کتب مشکل معقول ومنقول رادرس می دادو آنہا کہ از تحصیل او واقف نبودند تحیر تمام داشتند کہ گویا کرامت دارد، بہرحال صاحب استعداد بودگاہی شعر ہم می گفت......''(۱)

طاہرؔ کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

بر زعم من بدست رقیبش سپردہ اند
تا کی کشم شکایت محمل کشان یار
حیف است باغبان اگر از رشک عندلیب
گل را کند حوالہ بنوک سنان خار

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۲۷

(۵۵) شیخ صیف الدین محمد طبیعتؔ

شیخ صیف الدین نام اور ''طبیعتؔ'' تخلص تھا۔ یہ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ اس زمانے کے مشہور عالم میر عبدالجلیل بلگرامی اور دوسرے نامور فضلاء سے علوم وفنون کی تحصیل کی تھی۔ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ء) میں آگرہ سے الٰہ آباد آئے اور سکونت اختیار کرلی۔ شاعری کا شوق رکھتے تھے۔ ''باغ معانی'' میں ان کا یہ شعر درج ہے:

چو تاک از سبز پوشیہای خود فکر دغل دارم
لباس صالحان و شیشۂ می در بغل دارم(۱)

---

(۱) باغ معانی: نقش علی، ص۱۲۶

(۵۶) لالہ بینی پرشاد ظریفؔ

بینی پرشاد نام اور تخلص ''ظریفؔ'' تھا۔ یہ معروف شاعر روشن لال روشنؔ کے بیٹے اور لالہ اودھی لال کے پوتے تھے۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شعر و شاعری سے حد درجہ دلچسپی تھی۔ یہ غلام ہمدانی مصحفیؔ کے شاگرد ہوئے۔ تذکرہ ''روزِ روشن'' نے ظریفؔ کو فارسی کا صاحبِ دیوان شاعر لکھا ہے۔(۱) لیکن تذکرے میں ان کے اشعار مفقود ہیں۔

---

(۱) روزِ روشن: ص۲٦٦

(۵۷) پنڈت درگا پرساد عاشقؔ

نام پنڈت درگا پرساد اور تخلص عاشقؔ تھا۔ یہ پنڈت ٹیکا رام لکھنوی کے صاحبزادے تھے۔ شعروشاعری کا شوق تھا۔ اور یہ شوق انھیں اپنے دادا پنڈت کنہیالال سے وراثت میں ملا تھا، جو کہ خود ایک اچھے شاعر تھے۔ ان لوگوں کا خاندانی تعلق صوبۂ کشمیر سے تھا۔ بعد میں یہ لوگ اودھ آکر مقیم ہوئے اور مستقل سکونت اختیار کی۔ پنڈت کنہیالال، کشمیر سے بہت سے قلمی نسخے اپنے ساتھ لائے تھے جن میں عاشقؔ کی نظموں کا ایک مجموعہ بھی تھا۔ یہ مجموعہ ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) کا تھا۔ اس مجموعہ مذکور سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہست ز تو روز و شب و صبح و شام
سلسلہ کار جہان را نظام
وصف تو بیرون ز حد گفتگو است
خاک درت مایۂ صد آبرو است(۱)

---

(۱) بہارگلشن کشمیر (جلد۲)، ص ۷۳۶

(۵۸) پنڈت شیو کشن ربّو عاشقؔ

شیو کشن ربّو نام اور تخلص ''عاشقؔ'' تھا۔ ان کی پیدائش ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں لکھنؤ میں ہوئی۔ ایک عرصہ تک یو پی کے مختلف اضلاع میں ڈپٹی کلکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ شعر و شاعری سے دلچسپی کی بنا پر ناسخؔ لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ نوّے سال کی طویل عمر پا کر ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں الٰہ آباد میں وفات ہوئی۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

تا کشتۂ نو روز بہ نقاب کفن گرفت
بلبل قبا درید و دل از پیرہن گرفت
عاشقؔ تو گفتہ ای غزل تر درین زمین
ناحق ز راہ خشک سواد سخن گرفت(۱)

گر رود خون جگر از دیدۂ تر دور نیست
میدہد آبی دم شمشیر را قابل زسنگ
گو رود آبی ز سر از دیدہ عاشقؔ باک نیست
سد راہ سیل گر سازد بہم ساحل ز سنگ(۲)

(۱) بہار گلشن کشمیر (حصہ دوم)): برج کشور کول، ص ۱۰
(۲) بہار گلشن کشمیر (حصہ دوم)): برج کشور کول، ص ۱۱

(۵۹) میرزا محمد تقی عاصیؔ

محمد تقی نام اور عاصیؔ تخلص تھا۔ عاصی دہلی کے رہنے والے تھے لیکن دہلی کے اجڑنے کے بعد لکھنؤ آ گئے تھے۔ ان کے والد لطف اللہ خوش نویس تھے۔ عاصیؔ کا شمار فرخ سیر [1] کے عہد کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی تھی۔ عہد عالمگیر ثانی [2] تک زندہ رہے۔ ان کا شمار فارسی غزلیات اور قصائد گو شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

سوختم دوش بسودای تو داغی عجبی
داد در دست مرا عشق چراغی عجبی [3]

---

(۱) زمانۂ حکومت ۱۱۲۵-۱۱۳۱ھ (۱۷۱۳-۱۷۱۹ء) ہے۔
(۲) عالمگیر ثانی ۱۱۶۷-۱۱۷۳ھ (۱۷۵۴-۱۷۵۹ء) بادشاہ تھا۔
(۳) سفینۂ ہندی، ص ۱۳۶

(٦٠) میر محمدی عزتؔ

میر محمدی نام اور تخلص عزتؔ تھا۔ یہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ لیکن بعد میں اودھ چلے گئے اور عمر کا بیشتر حصہ وہیں گزارا۔ عزتؔ نواب شجاع الدولہ بہادر کی سرکار سے وابستہ تھے۔ نواب موصوف ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ درج ذیل شعر عزتؔ کے کلام کا نمونہ ہے:

آتش عشق در جگر نالۂ آتشیں بلب
آہ چہ پرسم زدل سوختۂ برشتۂ (۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۳۷

(۶۱) شباب رائے عزیؔز

شباب رائے نام اور تخلص عزیؔز تھا۔ ان کے باپ موہن لال ساہوکار صاحب کہے جاتے تھے۔ عزیؔز کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ سن بلوغ کو پہنچے تو شعر وشاعری کا شوق ہوا۔ اس عہد کے مشہور شعراء کے کلام کا بکثرت مطالعہ کیا۔ اساتذۂ سخن کے اچھے اشعار لکھ لیتے اور یاد کر لیتے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔ عزیؔز کا شمار مرزا فاخر مکیںؔ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۲ء) میں وفات پائی۔ سفینۂ ہندی میں ان کے یہ اشعار ملتے ہیں:

خنجر بدست آن بت طناز میرود
اہل نیاز کشتہ بصد ناز میرود
برباد دادہ خانۂ دلہاے عاشقان
آن ترک مست خانہ بر انداز میرود
با آنکہ صد جفا و ستم دید از و عزیز
بین سادگی کہ بر در او باز میرود(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۱۳۳

(۶۲) محمد عسکریؔ حسینی بلگرامی

نام محمد عسکری بلگرامی اور تخلص عسکریؔ تھا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آپ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ تاریخ پیدائش و وفات کا تذکروں میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ انھوں نے ایک تذکرہ لکھا تھا جس کا نام ''صحائف شرائف'' تھا۔ اور یہ تذکرہ ۱۲۳۱ھ میں لکھا تھا۔ اور ''درالمنشور'' سے تاریخ تصنیف نکالی۔

''نام این صحائف شرائف ساخت و''درالمنشور'' تاریخ یافت''(۱)

تذکرہ نویس امان اللہ انصاری کے مطابق عسکری فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے لیکن افسوس کہ ان کے حالات زندگی تذکروں میں مفقود ہیں۔ ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے(۲) اس کے علاوہ مذکورہ تذکرے کا بھی ایک نسخہ خدابخش لائبریری میں موجود ہے۔(۳)

دیوان کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

شد ز بسم اللہ روشن مطلع دیوان ما
آیۂ رحمت بود آرایش عنوان ما
شد عسکریم فکر بلند عرش نشیمن
عنقای معانی بود اندر قفس ما

تاباں تراست از مہ و خورشید داغ ما
روشن سپر عشق بود از چراغ ما

(۱) بلگرام کے فارسی شعراء، ص۱۷۳

(۲) دیوان میں فارسی کے ۱۳۶۶۶ اشعار موجود ہیں اور ۲۸۲ صفحات ہیں، کتابت ۱۲۶۹ھ

(۳) نسخہ خطی شمارہ ۲۶۸۷، خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۴۲۶ صفحات ہیں۔

(۶۳) آتمارام عشقؔ

آتمارام نام اور تخلص عشقؔ تھا۔ والد کا نام من سکھ رائے اور چچا تلسی رام تھے۔ یہ نواب سعادت علی خاں کے یہاں ملازم تھے۔ عشقؔ کو فارسی نثر نویسی سے خاص لگاؤ تھا۔ کبھی کبھی شعر و شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کے اشعار ان کی قادر الکلامی کا بین ثبوت ہیں۔ تذکرہ روزِ روشن سے ان کے یہ شعر نقل کیے جاتے ہیں:

آن طرف زلف سیہ کار حجاب عارض
این طرف جمعی بنظارہ پریشانی چند
تر زبانم چون نشونم در صفت گریۂ عشق
کردہ چون بحر مرا صاحب سامانی چند(۱)

---

(۱) تذکرہ روزِ روشن، ص ۴۸۵

(۶۴) میر حسن علویؔ

میر حسن نام اور علویؔ تخلص تھا۔ آپ کے والد سید حمید سعید میر عبدالمجید اپنے وقت کے ماہر ریاضی داں تھے۔ آپ کا تعلق خراسان کے صوبہ طوس سے تھا۔ وہاں سے ہجرت کر کے دہلی آنا ہوا۔ میر حسن کی پیدائش دہلی میں ہی ہوئی۔ ابتدائی علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔ اس کے بعد دہلی سے لکھنؤ آ گئے یہاں سے ہی شعر گوئی کی شروعات کی، کلام کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

تادست خود نمود دلم را ز دست برد
من محوِ روی اوشدم او کرد دست برد

نگہی کرد کہ رفتم از ہوش
می کند کار ثواب از دیدہ(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۳۶

(۶۵) جلال الدین غالبؔ

جلال الدین نام اور غالبؔ تخلص تھا۔ غالبؔ کا شمار زید پور کے علماء وفضلاء میں ہوتا ہے۔ بہ نسبت شاعری کے علوم وفنون میں پایہ بلند تھا۔ علم موسیقی میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ شعر وشاعری سے دلچسپی تھی۔ فارسی کے عمدہ اشعار ان کی یادگار ہیں۔ بھگوان داس ہندیؔ نے ان کے دیوان کا ذکر کیا ہے جس میں ہر صنف سخن کا تذکرہ ہے وہ لکھتا ہے:

''کبت ہندی خوب میگفت تا بعمر شصت سال ازیں عالم فانی درگذشت دیوانی از ہر قسم اشعار یادگار گذاشت۔''(۱)

ان کے فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

از خانہ بروں آمدنش بی سببی نیست
غالبؔ دل بیتاب تو دستک زدہ باشد
برگفتۂ واعظ نتواں ترک طرب کرد
تومی بزن آں مرد کہ کوچک زدہ باشد

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۴۸

(٦٦) سید کرم اللہ غریبؔ بلگرامی

نام سید کرم اللہ اور تخلص غریبؔ تھا۔ آپ اودھ کے معروف قصبہ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن میں ہی رہ کر حاصل کی۔ خود آپ کے والد بیخبرؔ بلگرامی اور بھائی فقیرؔ بلگرامی اپنے وقت کے با کمال شاعر گزرے ہیں۔ غریبؔ اپنے برادر محترم سے خاص عقیدت رکھتے تھے چنانچہ شروع سے آخر تک تمام زندگی بھائی کی صحبت میں ہی گزارے۔ صوفیانہ مزاج رکھتے ہوئے بھی شعر و شاعری سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے قدماء و شعراء کے اکثر دواوین کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ اور بہت سے اشعار حفظ کر لیے تھے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

''بہ انواع قابلیت آراستہ...... در سلیقہ شعری کامل ......اکثر بر دواوین سخن سنجان قدیم وجدید عبور نمودہ و اشعار فراوان در خزانہ حافظہ فراھم آوردہ۔'' (۱)

قدرت اللہ کے بیان کے مطابق:

''صاحب کلام دلفریب...... درفنون شعر وشاعری ھم طبع موزون وفکر رسا داشت۔'' (۲)

حالاتِ زندگی کے بارے میں مزید تفصیلات نہیں ملتیں تقریباً ۳۴ سال کی عمر پائی اور اپنے وطن بلگرام میں مدفون ہوئے۔ آزاد بلگرامی نے ان کی وفات پر قطعۂ تاریخ کچھ اس طرح کہا:

شاعر خوش گوئی صوفی مشربی
مرد در عین جوانی یا نصیب
وقت جان رفتن ندا آمد ز غیب
بھر تاریخ وفاتش یا غریب
(۱۱۶۹ھ)(۳)

اودھ کے فارسی شعراء کی فہرست میں آپ کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔اشعار نہایت عمدہ وشگفتہ ہیں۔ چنداشعار بطورِنمونہ کلام ملاحظہ ہوں:

نیست شخصی بی گرفتاری درین گلشن مگر
سرو را دیدم کہ آزاد آمد و آزاد رفت

نمی دارم خیال ھم کلامی بالب لعلش
بگوش خویش نام خود شنیدم آرزو دارم

دیدمش چون آسمانی چشم پرسیدم کہ چیست
گفت این آھو ز جولان درغبار خود گم است

آہ این برگشتگی از طالع من کی رود
من ز طفلی خوردہ ام در کاسۂ گرداب شیر

(۱) سروآزاد،ص ۳۲۷
(۲) نتائج الافکار،ص ۵۲۰
(۳) بلگرامی کے فارسی شعراء:ص ۱۳۶

(٦٧) میر غضنفر حسین بلگرامی

میر غضنفر بلگرامی، بلگرام کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار یہاں کے سادات میں ہوتا ہے۔ تذکرہ نگار قدرت اللہ نے اپنے تذکرہ نتائج الافکار میں ان کے اخلاق وعادات کی بے حد تعریف کی ہے۔ فارسی زبان سے خاص لگاؤ تھا، اپنے زمانے کے مشہور استادوں سے عربی و فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ شعر وشاعری سے شروع سے ہی دلچسپی تھی، اکثر وبیشتر شیخ نظام الدین صانع بلگرامی سے اپنے فارسی کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے، قدرت اللہ کے مطابق:

''......از سادات واسطی است، مرد کریم النفس وخوش اخلاق بود و در روش پسندیدہ شھرۂ آفاق کتب فارسیہ پیش اساتذہ عصر گذارنیدہ و در علوم عربیہ ھم بقدر ضرت استعدادبھم رسانیدہ۔ در نظم پردازی طبع عالی وفکر نیکو داشت ومشق سخن از شیخ نظام الدین صانع بلگرامی نمود۔''(۱)

فارسی اشعار کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

بالای توھر کہ دیدہ باشد
آھی ز جگر کشیدہ باشد
در ریز شدست بی تو چشم
در گوش توھم رسیدہ باشد

چون دود جا بچشم کند گربہ آورد
تا خط عنبرین تو دیدم گریستم

بسینہ داغ تو پوشید می برم درخاک
باین امید کہ شمع مزار خود باشم

بس ھمدمان مراست ھوای گریستن
می می خورم چو شیشۂ برای گریستن

بہ اشکم چو افتاد کار گریبان
رگ لعل شد تا تار گریبان (۲)

---

(۱) نتائج الافکار،ص۵۲۲
(۲) بلگرام کے فارسی شعراء،ص۱۷۶

(۶۸) میرزا جان علی غمیںؔ

میرزا جان علی نام اور تخلص غمیںؔ تھا۔ خواجہ بو علی کے بیٹے اور مرزا فاخر مکیںؔ کے بھانجے تھے۔ غمیںؔ نے فاخر مکیںؔ کے زیر سایہ پرورش پائی تھی۔ شعر و شاعری کرتے تھے اور اپنے مربی فاخر مکیںؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہو:

از داغ شما خون دل زار است بہ بینید
ای لالہ رخاں طرفہ بہار است بہ بینید

کجا بخانۂ ما حاجت چراغ بود
چراغ خانۂ عاشق ہمیشہ داغ بود
چہ حاجت است غمیںؔ را بہ سیر باغ بہشت
کہ بہر غمزدگان کوی یار باغ بود(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۴۹

(٦٩) خواجہ عبداللطیف خان غیرتؔ

نام خواجہ عبداللطیف خان اور تخلص غیرتؔ تھا۔ خواجہ ابوالفتح خان جنوںؔ کے صاحبزادے تھے۔ تحصیل علم شیخ محمد افضل الہ آبادی سے کیا۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر جا یاری و آشنای است ترا
دریاب کہ خضر رہنما ئیست ترا
ضائع نبود بہ خلق احسان کردن
ہر دست گرفتۂ عصائیست ترا(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۴۷

(۷۰) میرزا فاضلؔ

میرزا فاضل نام اور تخلص فاضلؔ تھا۔ ان کا شمار اودھ کے فارسی گوشعراء میں ہوتا ہے۔ یہ کہاں کے تھے، آیا ہندی النسل ہیں یا بیرونِ ہند کے ہیں ان باتوں کی وضاحت کہیں سے نہیں ہوتی۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نواب سعادت خاں کے توسط سے ذوالفقار جنگ تک رسائی حاصل کی تھی، اور ان کی سرکار سے وابستہ تھے۔ منصب و خطاب دونوں سے نوازے گئے۔ ان کے یہ اشعار بطورِ نمونہ ملتے ہیں:

هزار غنچہ نشگفتۂ امید مراست
کہ گر شگفتہ شود عالم گلستانست

مشو غافل از دست برد نگاهی
کہ این دزد آواز پای ندارد

کف تو خواستم از خون من شود رنگین
هزار حیف کہ تردستیٔ حنا نگذاشت(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۱۶۱

(۷۱) سید محمد فدآئی

سید محمد نام اور فدآئی تخلص تھا۔ ہمدان کے رہنے والے تھے۔ نوابین اودھ کے زمانے میں ہندوستان آئے اور نواب سعادت خاں کی سرکار میں ملازمت کر لی۔ احوال و آثار کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ بھگوان داس ہندی نے ان کا یہ شعر نقل کیا ہے:

کشد جمال تو شرم از رخ نقاب ہنوز
ترا حجاب ندیدست بی حجاب ہنوز(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۵۹

(۷۲) لالہ دین دیال فرحتؔ لکھنوی

لالہ دین دیال نام اور تخلص فرحتؔ تھا۔ ان کے والد ہمت سنگھ بلاقی داس کے بیٹے تھے۔ یہ لوگ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ فرحتؔ لکھنؤ میں رہے اور نواب آصف الدولہ کے عہد میں راجہ ٹکیٹ رائے کے یہاں ملازمت اختیار کر لی۔ شعر و سخن میں دلچسپی تھی۔ چنانچہ ان کے دو اشعار تذکرہ ''روزِ روشن'' میں ملتے ہیں ملاحظہ ہوں:

دلی دارم کہ در جان خار خار گلستان دارد
نہ شوق سیر صحرای ہوای بوستان دارد
چگونہ جان برم از ترک چشم او کہ ہر ساعت
بقتلم تیر از مژگان و از ابرو کمان دارد(۱)

---

(۱) تذکرہ روزِ روشن، ص ۵۱۷

(۷۳) سید اسد اللہ فردؔ

سید اسد اللہ نام اور فردؔ تخلص تھا۔ فردؔ کی پیدائش ۱۱۱۵ھ میں (۱۷۰۳ء) میں بلگرام میں ہوئی۔ افسوس کہ ایام جوانی میں ہی وفات پا گئے۔ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ء) ان کا سالِ وفات ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

بود بہ عالم تجرید کی لباس دگر
بریدن از دو جہاں است قطع جامۂ ما(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۵۷

(۷۴) پنڈت ودیادھر فصیح

ودیادھر نام اور تخلص فصیح تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ فارسی نظم ونثر سے دلچسپی تھی۔ مرزا محمد حسین قتیل کی شاگردی اختیار کی اور اس فن میں خاص مہارت حاصل کی۔ شعر ملاحظہ ہو:

خوش جامہ چاکی ہمچو گل جانان چہ پیش آمد ترا
خاری بود در پیرہن آیا چہ پیش آمد ترا

نزدیک بمرگ است فصیح از غم دوری
آید ببالین وی آن رشک پری را(۱)

(۱) تذکرہ روزِ روشن، ص۵۳۱

(۷۵) اشرف علی خاں فغاںؔ

اشرف علی خاں نام، فغاںؔ تخلص تھا۔ یہ احمد آباد، گجرات کے ایک سادات خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔(۱) پیدائش دہلی میں ہوئی۔ احمد شاہ بادشاہ (سنہ ۱۱٦۱ھ/ ۱۷۴۸ء-۱۱٦۷ھ/۱۷۵۴ء) کے کوکہ (رضائی بھائی) تھے۔ مزاج میں لطیفہ گوئی اور بزلہ سنجی تھی۔ جس کی وجہ سے ''ظریف الملک کوکہ خاں'' کا خطاب پایا۔

احمد شاہ درانی کے حملوں نے جب دہلی شہر کو تہس نہس کر دیا تو فغاںؔ نے اوروں کی طرح دہلی شہر کو خیر باد کہا اور مرشد آباد (بنگال) کی طرف روانہ ہوگئے۔ جہاں ان کے چچا ایرج خاں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ فغاںؔ نے ان سے ملاقات کی اور اس کے بعد اودھ کی راہ لی۔

اودھ میں اس وقت نواب شجاع الدولہ کی حکومت اوج عروج پر تھی۔ فغاںؔ ان کی سرکار سے منسلک ہوگئے۔ نواب موصوف فغاںؔ کے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آئے۔ اور اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا۔ لیکن چند سال بعد ان دونوں میں کچھ رنجشیں پیدا ہوگئیں۔ جن کی وجہ سے فغاںؔ رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے اور وہاں راجہ ''شتاب رائے'' کی سرکار سے وابستہ ہوگئے۔ انھوں نے باقی عمر وہیں گزار کر ۱۱۸٦ھ (۱۷۷۲ء) میں وفات پائی۔ عشقیؔ نے مادۂ تاریخ کہی:

''سرور دلہا رفت''(۲)

فغاںؔ کو شعر و شاعری کا شوق ابتدائے عمر ہی سے تھا۔ وہ شعر و سخن میں قزلباش خاں امیدؔ اور علی قلی خاں ندیمؔ کے شاگرد تھے۔

''گلشن سخن'' کی عبارت ملاحظہ ہو:

''اکثر سخنہا یش تازہ مضمون است و سراپا لطافت و بست شاگردی مرزا ندیمؔ درست داشت۔''(۳)

اور تذکرہ ''نکات الشعراء'' میں لکھا ہے:

''گاہے فکر غزل فارسی ہم می کند۔ شاگرد قزلباش مرحوم است......''(۴)

درحقیقت فغاںؔ کا شمار ذولسانی شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو و فارسی دونوں ہی زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ اردو میں ندیمؔ کے شاگرد تھے اور فارسی میں انھیں قزلباش خاں امیدؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فغاںؔ انتہائی خوش طبع اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔ دوستوں میں اپنی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کی وجہ سے مشہور تھے۔ اس سلسلہ میں صاحب ''مجموعۂ نغز'' نے لکھا ہے:

''بسیار عمدہ معاش و نہایت یار باش و خیلی ظریف الطبع لطیف مزاج سراسر در سر بسر ابتہاج بود شعرش پختگی تام دارد و سر آمد سخن سنجان فصاحت اما مرزا محمد رفیع سوداؔ بسیار ستائش دیوانش می کرد......''(۵)

فغاںؔ کو عام طور پر ''کوکلتاش خاں'' کے نام سے بھی مخاطب کیا گیا ہے جس کے معنی ترکی زبان میں ''رضاعی بھائی'' کے ہیں۔ کیونکہ یہ احمد شاہ بادشاہ کے دودھ شریک بھائی تھے۔

فغاںؔ کے فارسی اشعار انتہائی سادہ و پر معنی ہیں۔ اندازِ بیان بھی شیریں ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

قاصد آخر چہ دیدہ می آئی
کہ گریبان دریدہ می آئی(۶)
دست را کی درازم کردم من
کہ تو دامن کشیدہ می آئی

فغاںؔ کے فارسی(۷) و اردو دواوین کے متعدد نسخے موجود ہیں۔

---

(۱) آبِ حیات: محمد حسین آزاد، ص ۱۱۷
(۲) تذکرہ عشقی: وجیہ الدین عشقی عظیم آبادی، ص ۱۰۱
(۳) گلشن سخن: مبتلا لکھنوی، ص ۱۷۹
(۴) نکات الشعراء: میر تقی میرؔ، ص ۷۶
(۵) مجموعہ نغز (جلد ۲): میر قدرت اللہ قاسم، ص ۷۲
(۶) سفینۂ ہندی، ص ۱۵۹
(۷) دیوان فغاںؔ کا ایک نسخہ کتب خانہ باڈلین اوکسفورڈ میں موجود ہے۔ گلشن ہند: حیدر بخش حیدری، ص ۷۶

(۷۶) میر نوازش علی فقیؔر

میر نوازش علی نام اور تخلص فقیؔر تھا۔ فقیؔر قصبۂ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ ان کے باپ میر عظمت اللہ بیخؔبر کا شمار فارسی کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

''خلف الصدق میر عظمت اللہ بیخؔبر...... مشاطۂ طبع ھمایونی درانجمن نخستین جمال عرفان
می آراید و درین محفل برقع از روی پری زادان معانی می کشاید...... این خانہ زاد
موروثی را در آغوش فکر عمیق می پرورد'' (۱)

فقیؔر کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، بس صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی اشعار کہتے تھے۔ اور بلگرام جیسی سرزمین سے اٹھنے والے شعراء کے اشعار تو یوں بھی سلاست و فصاحت، رنگینی و دلکشی، قوتِ تخئیل، جذبات نگاری اور پختگی سے لبریز نظر آتے ہیں۔ فقیؔر بلگرامی نے بھی اپنے والد کے نام نامی کو قائم رکھا اور فارسی زبان کے چراغ کو جلائے رکھا۔ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) میں وفات پائی۔

ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

دفتر عشقیم باشد درد دل عنوان ما
مصرع آہی رسا بسم اللہ دیوان ما (۲)

خاک گردیدیم و از ماه آه سردی برنخاست
خانہ ھستی ز پا افتاد گردی برنخاست

در حضور شمع جان بی صرفہ می سازد نثار
از نثر او عشق چون پروانہ مردی برنخاست

از یار پیام دغلی را چہ کندکس
این درّ نوشاب عملی را چہ کندکس

صفای آئینہ از شست و شوئمی آید
علاج دل سیہی از وضو نمی آید

در وجودیم دلی رو بہ عدم می داریم
در گلو این رگ جان رشتہ حب الوطن است

گرچہ برجستم فقیر از دام سعی مال و جاہ
احتیاج آب و نان آخر شکارم کردہ اند

آزادؔ بلگرامی نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

روشن دلی سحر نفسی پاک گوھری
وا حسرتا کہ دامن زین انجمن فشاند

دل وا طپید و نالۂ تاریخ وا کشید
پیر یگانہ میر نوازش علی نماند(۳)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۵۶
(۲) مآثر الکرام: ص ۳۲۵
(۳) سرو آزاد: ص ۳۱۵

(۷۷) منولال فلسفی

منو لال نام اور تخلص فلسفی تھا۔ یہ مشہور شاعر اور مصنف کندن لال اشکی کے بیٹے تھے۔ فلسفی عربی، فارسی، سنسکرت اور دیگر علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ رتن سنگھ زخمی کا بیان ہے:

''نامش منو لال از قبیلۂ کایستھ، مولدش بریلی است۔ در علوم حکمی خصوصاً فنون ریاضی دستی دراز است۔''(۱)

ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

آن زلف گرہ گیر کہ جانم گرد اوست
کز دام برآید کہ دگر دام بلا را(۲)

---

(۱) تذکرہ انیس العاشقین (قلمی): راجہ رتن سنگھ زخمی

(۲) سفینۂ ہندی، ص ۱۷۱

(۷۸) فیض بخش فیضؔ

منشی فیض بخش نام اور تخلص فیضؔ تھا۔ اپنے زمانے کے مشہور مورخین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کا سب سے اہم کارنامہ ''تاریخ فرح بخش'' ہے۔ جو سلاطین دہلی اور نوابین اودھ کی مکمل تاریخ ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۹ء میں ہو چکا ہے۔[۱] اس کتاب کا اردو نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور کتب خانہ انوریہ کاکوری میں موجود ہے، اودھ کے حالات پر یہ ایک مبسوط تاریخ ہے۔

آپ فیض آباد میں بہو بیگم، والدہ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار میں منشی کے عہدے پر ایک عرصہ تک فائز رہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے چچا شیخ غلام مرتضٰی (صاحب جواہرالانشاء) کے توسط سے ہوئی۔ اس کے علاوہ دیگر علمائے وقت سے بھی کسب فیض کیا۔ منشی غلام سرور ابن ملک محمد کبیر ملک زادہ کے صاحبزادے تھے اور سنہ پیدائش ۱۷۵۳ء ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:

(۱) مثنوی باغ و بہار: یہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کے بارے میں ہے اور اس میں کاکوری کے تمام صاحب علم وفن کا تذکرہ بھی ہے۔ مکمل نسخہ کتب خانہ انوریہ، کاکوری میں موجود ہے۔

(۲) چشمۂ فیض: یہ نسب نامہ کاکوری سے متعلق ہے، یہ اپنی طرح کی ایک الگ تصنیف

ہے۔ اس میں خود لکھتے ہیں کہ انھوں نے سو سے زیادہ کتابیں لکھیں لیکن ان کی بیشتر تالیفات ضائع ہوگئیں۔

(۳) تاریخ فرح بخش۔

اس کے علاوہ آپ ایک زبردست قادرالکلام شاعر تھے۔ مثنوی باغ و بہار آپ کا لافانی کارنامہ ہے۔ جو آپ نے اپنے پیرومرشد کے حالات میں تحریر کی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مقامی برگزید آن معرفت کیش
کنار شہر و دور از خانۂ خویش
پر از مرقد زمینی دید کامل
کہ اجدادش در آن جاکرد منزل
در انجا حوضکی پر متصل بود
نہ آبِ ابر پُر خالی نہ گل بود
و رای حوض صحرای کشادہ
فضای او ز حصر و حد زیادہ

آپ کا انداز بیان سلاست، روانی اور فکر انھیں دیگر شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ آپ کا انتقال فیض آباد میں ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ سنہ وفات کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ آپ کے ایک بیٹے رسول بخش اور ایک پوتے حافظ عبدالصمد کو جنگ آزادی کے وقت ۱۸۵۷ء میں پھانسی دے دی گئی تھی۔

---

(۱) انگریزی ترجمہ ولیم ہوئی نے کیا جو انڈین پریس، الہ آباد سے شائع ہوا۔ اس کا نام ہے:
Chronical of Delhi and Faizabad

(۷۹) شیخ محمد قایم قاؔیم

شیخ محمد قایم شہر لکھنؤ سے تھے۔ فارسی زبان وادب سے نہ صرف شغف تھا بلکہ کمال کی قدرت حاصل تھی۔ بیشتر اوقات مکتب کی خدمات میں صرف کرتے۔ ہندؔی لکھتے ہیں:

"مکتبش از پر پرویان سیمبر رشک پریخانۂ چین وزمین صحبتش غیرت چرخ برین بود، اکثر ہندو پسران زیبا طلعت نیکو منظر از و درس می گرفتند، گاہی شعر ہم میگفت۔"(۱)

ماہ من برلب جو جلوہ فروش است امشب
آب از عکس رخش بادلہ پوش است امشب

سازد اگر آن چشم سیہ مست ہلاکم
غیر از گل نرگس نفشایند بخاکم

نرگستان شدہ است تربت من
انتظار مرا تماشا کن

تا دیدہ را بہ محفل امکاں کشادہ ایم
در آستین ماست چو مینا گریستن

(۱) سفینۂ ہندی: ۱۷۱

(۸۰) میر اسماعیل قرباںؔ

میر اسماعیل نام اور قرباںؔ تخلص تھا۔ نواب ابوالمنصور صفدر جنگ بہادر کی ملازمت میں تھے۔ ان کے بارے میں تفصیلات کا کوئی علم نہیں۔ ''سفینۂ ہندی'' میں ان کا یہ شعر ملتا ہے:

سواد ہستی عالم بچشمم تنگ می آید
بدلہای عزیزان جای میکردم چہ میکردم(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۱۷۱

(۸۱) میرزا محمد علی کرمانی

میرزا محمد علی نام اور تخلص کرمانی تھا۔ ان کے باپ کرمان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ محمد علی کرمانی کی پیدائش درمیان سفر ہوئی۔ اور نشو و نما دہلی میں پائی۔ ایک عرصہ بعد باپ بیٹے دونوں نواب شجاع الدولہ بہادر کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔ اور دونوں نے سرکاری ملازمت حاصل کر لی۔ محمد علی کو شعر و سخن سے شغف تھا۔ ان کا یہ شعر تذکرے میں ملتا ہے:

خم ابروی تو مثل کمانست
دلم قربان او ہر دم از انست(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۱۱

(۸۲) حکیم عابد علی کوثرؔ

حکیم عابد علی نام اور تخلص کوثرؔ تھا۔ مظفر علی خان اسیرؔ کے شاگردوں میں تھے۔ خیرآباد کے امراء ورؤساء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان پر بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ان کے کلام میں لطافت وفصاحت دونوں ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

مئے عشق تو اے جاناں کشیدن آرزو دارم
برنگ عقل بر مستان رمیدن آرزو دارم
کجائی قبلۂ جانہا کجائی کعبۂ ایمان
بمحرابِ خم ابرو خمیدن آرزو دارم

سوز دلم گر اثری داشتی
بی خبر از من خبری داشتی(۱)

(۱) بہارستان اودھ: عاشق عبداللہ، ص۱۳۲-۱۳۳

(۸۳) راے میکولعل مستانہ

راے میکولعل نام اور تخلص مستانہ تھا۔ غازی پور کی کایستھ قوم سے تھے۔ ان کے خاندانی بزرگوں میں سے کوئی بہرائچ میں (صوبہ اودھ کے مضافات میں ہے) وقائع نگاری کے عہدہ پر مامور تھا۔ اور یہیں عمارتیں وغیرہ بنا کر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ لالہ نندلعل اور مستانہ کے والد لالہ بلاقی داس بھی یہیں آ کر مقیم ہو گئے۔ مستانہ کی پیدائش یہیں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کی اور شعر و شاعری کی جانب متوجہ ہوئے۔ قدماء کے دواوین کا مطالعہ بڑے انہاک سے کرتے تھے اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ چند قصائد اور غزلیات ان کی یادگار ہیں۔ قسمت کے بلند تھے۔ چنانچہ مہاراجہ ٹکیٹ [1] راے کی سرکار میں ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ اخیر عمر میں تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر ان کی وفات ہوئی۔ کسی نے تاریخ وفات کیا خوب کہی ہے:

بشب بست و پنجم شعبان
از جہان رفت ہای میکو لعل
گفت سالش خرد زروی الم
بچناں رفت رای میکو لعل

۱۲۰۳ھ (۱۷۸۸ء)

ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

وا مکن از شانہ ای مشاطہ چنین زلف را
رحم کن بگداز مسکین مکین زلف را(۲)

(۱) مہاراجہ ٹکیت رائے نریندر بہادر، نواب آصف الدولہ کے نائب کل و دیوان تھے۔ ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں انتقال ہوا۔

(۲) سفینۂ ہندی: ص ۲۰۴

(۸۴)لالہ عوض رائے مسرتؔ

عوض رائے نام اور تخلص مسرتؔ تھا۔ یہ شاہجہان پور کے کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سنِ بلوغ کو پہنچے تو علم کی تحصیل کے لیے دہلی روانہ ہوئے۔ ایک عرصہ تک یہاں سلسلۂ تعلیم جاری رہا۔ شعر وسخن کی طرف طبیعت کا میلان دیکھ کر مرزا محمد حسین قتیلؔ کی شاگردی اختیار کر لی۔ مختلف علوم کی تکمیل کے بعد اپنے وطن شاہجہان پور واپس آ گئے۔ اور شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ بنالیا۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ای ز انوار تو روشن جبّہ عنوان ما
آفتاب آمد برون از مطلع دیوان ما(۱)

---

(۱) تذکرہ روزِ روشن، ص۶۲۵

(۸۵) ملہار سنگھ مسکینؔ

کلونت رائے کے بیٹے ملہار سنگھ اصلاً کایستھ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ بریلی میں وکالت کرتے تھے۔ اور کبھی کبھار شعروشاعری بھی کرتے تھے۔ شعر پر اصلاح بھگوان داس ہندیؔ سے لیتے تھے۔ مزاج میں نہایت ظرافت و شوخی تھی۔ مسکینؔ کے والد اور خود مسکینؔ بھی گرونانک کی ذات اور ان کی تعلیمات سے بے حد متاثر تھے چنانچہ خود کو ان کا مرید گردانتے تھے۔ شعر اچھے کہتے تھے۔ سفینۂ ہندی میں ان کا ایک شعر ملتا ہے:

یک قطرہ می نمودی و دریا برآمدی
ای اشک در غم کہ چنیں جوش کردۂ(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص۱۹۶

(۸۶) بھوری سنگھ مشربؔ

بھوری سنگھ نام اور مشربؔ تخلص تھا۔ ان کا خاندانی تعلق اکبرآباد کی راجپوت قوم سے تھا۔ عمر کا بیشتر حصہ انھوں نے وطن سے باہر گزارا۔ کچھ عرصہ بنگال میں قیام کیا اور بعد میں صوبہ اودھ آکر نواب شجاع الدولہ کی سرکار سے وابستہ ہوگئے اور مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی۔ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں انتقال ہوا۔ شعروشاعری میں مشربؔ نے محمد مقیم آزاد کی شاگردی حاصل کی۔ فطری طور پر طبیعت موزوں پائی تھی جس کی جھلک ان کے اشعار میں نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے، ملاحظہ ہو:

من بر سیاہ کاری خود تا نظر کنم
چو خامہ سرخرو برم و گریہ سر کنم
مشرب رسید موسم پیری خوش آنکہ من
شغل نظارہ ترک چو شمع سحر کنم

سیہ بختم کہ دل خونبا بہ اندر چشم تر دارم
چو میل سرمہ جا در دیدۂ اہل نظر دارم(۱)

(۱) نتائج الافکار، بحوالہ نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان: ص۱۴۸

(۸۷) راے سحی مل معنیٰ

راے سحی مل نام اور معنیٰ تخلص تھا۔ یہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ کچھ عرصہ بعد نواب شجاع الدولہ بہادر کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ ان کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ صرف اس قدر صراحت ملتی ہے:

''در انشا دستگاہ عالی داشت بغایت دلچسپ و رنگین می نگاشت از وست......''(۱)

اور یہ شعر بھی تذکرہ میں درج ہے:

ہمچو فانوس کہ روشن پرتو شمع اش کند
برقع از نور رخش عرض تجلی دادہ است

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۰۵

(۸۸) منشی کالکا پرساد موؔجد

کالکا پرساد نام اور تخلص موؔجد تھا۔ منشی بھگوان دین نگم کے بیٹے تھے۔ ان کا خاندانی تعلق کایستھ قوم سے تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شاہانِ اودھ کے دربار میں ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ غدر کے ہنگامے کے بعد یہ مطبع ''نولکشور'' میں کارپرداز مقرر ہوئے۔ فارسی اور عربی زبانوں پر عبور کامل حاصل تھا۔ خوش نویسی میں بھی ماہر تھے۔ قدؔر بلگرامی ان کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بڑے ناظم و نثار تھے۔ فصاحت و بلاغت آپ کے حصے میں تھی۔ فارسی میں ہر طرح کی عبارت مقفع و مسجع و معلق نہایت فصیح قلم برداشت ہو کر تحریر کرنا آپ ہی کا کام تھا۔''(۱)

موؔجد نے مرزا ناطقؔ کی شاگردی اختیار کی۔ فارسی کے نہایت فصیح اشعار ان کی یادگار ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

رسائی نیست تا سر منزل او کفر و ایمان را
کہ دیر و کعبہ سنگ رہ بود گبر و مسلمان را
آنکہ شد از دُر فشانیہاے طبع روشنش
پر گہر چو دامن شب کشور ہندوستان

نام نیکش می رود بہر شہر و دیار
جز نگیں در راہ نتوان یافتن سنگ نشان
پیش جودش این تر آمد و ان دگر گردید خشک
کان چو دریا گشتہ و دریا شدہ مانند کان[۲]

موجدؔ نے ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں دہلی میں وفات پائی۔

(۱) مجموعہ سخن: غلام حسین قدر بلگرامی، مطبوعہ ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء بحوالہ نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان، ص ۱۵۰

(۲) ایضاً۔

(۸۹) مہتدی خان مہتدی

مہتدی خان نام تھا اور تخلص مہتدی۔ نواب خان زاد خان بن سربلند خان تونی کے بیٹے تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں نواب ابوالمنصور خان صفدر جنگ کے ساتھ اودھ آ گئے تھے۔ اکثر اچھے اور عمدہ اشعار کہتے تھے۔ ان کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

شہید تیغ تو گشتند ناتوانی چند
نشان نماند از ایشان جز استخوانی چند
خزاں ربود بہار چمن بہ یغمای
درخت خشک بجا ماند و آشیانی چند
رباط ہستی موہوم سست بنیاد است
گذاشت ست مراہم بھر ہان چند
عنان بگیرد بہ آہستگی قدم بردار
فتادہ اندبکوی تو نیم جانی چند
ز گرد بادیہ امروز گشت معلوم
کہ رفتہ اندازین راہ کاروانی چند
نماند قیصر و خاقان کجاست رستم و زال
گذاشتند درین دھر استخوانی چند(۱)

---

(۱) سفینۂ ہندی، ص۱۹۲

(۹۰) قاضی لطف علی خان ناطؔق

نام لطف علی خان، ناطؔق تخلص ۔ یہ بنارس کے قاضی خاندان سے تھے۔ سن شعور کو پہنچے تو عربی زبان وادب کی مکمل تعلیم حاصل کی اور شعروشاعری کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس زمانے میں مرزا فاخر مکیؔن الٰہ آباد میں تھے۔ ناطؔق نے ان سے اصلاح لی اور اس فیض کے حاصل کرنے کے بعد بہت سے عمدہ اشعار کہے۔ تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنا دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔ ستر سال کی عمر میں تقریباً ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ء) میں انتقال ہوا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ترک چشمش چوں بجنگ آرد سپاہ خویش را
ناوک و تیغ و سناں بخشد نگاہ خویش را
میزند طعن اسیری ہر کہ غم چیری ترا
کاش دیدی یک نظر زلف گرہگیری ترا

در جہاں ہنگامہ ہا برپا ز قامت کردۂ
خلق را آگہ ز آشوب قیامت کردۂ

تا گرفتار نمود آن بت صیاد مرا
در قفس کرد، ز سیر چمن آزاد مرا
سایۂ قامت او تا ز سرمن برخاست
وہ چہ گویم چہ قیامت بسر افتاد مرا(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۱۷

(۹۱) نثار محمد خان نثارؔ

نثار محمد خان نام اور تخلص نثارؔ تھا۔ خطاب ''نواب شیر جنگ بہادر'' تھا۔ نوابین اودھ کے زمانے میں یہ نیشاپور سے ہندوستان آئے تھے۔ نثارؔ، سیادت خان کے بیٹے اور نواب سعادت خان کے بھتیجے تھے۔ انھوں نے اپنے چچا نواب سعادت خاں کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ نواب نے انھیں ہفت ہزاری منصب کے ساتھ کشمیر کی صوبہ داری عطا فرمائی۔ نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں مانک پور اور بہار کی جاگیر انھیں عطا ہوئی۔ نثارؔ نے اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ فقراء اور شعراء کی خدمات میں اکثر حاضری دیا کرتے تھے۔ اور ادبی نشستوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ نثارؔ کا انداز بیان سادہ و شیریں ہوتا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

دل ما دوست میدارد شمارا
شما ہم دوست میدارید مارا
عجب سنگی زدی برشیشۂ دل
کہ نشنیدہ کسی ہرگز صدارا(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۱۹

(۹۲) شیخ محمدی شاہ نصرتؔ

محمدی شاہ نام اور تخلص نصرتؔ تھا۔ زمانۂ اودھ میں ان کا شمار سندیلہ کے بزرگوں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے شہر لکھنؤ کو اپنا مسکن بنایا۔ محمد برہان علی خاں سے ان کا خاص تعلق تھا۔ شعر و شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

آتش عشق تو زا نگونہ تن و جائش سوخت
کہ غمی در دل نصرتؔ زد و عالم بگذاشت(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۱۷

(۹۳) میرزا ابراہیم نوؔر

نام میرزا ابراہیم، اور تخلص نوؔر تھا۔ ان کے دیگر احوال کا علم کہیں سے حاصل نہیں ہوتا۔ تذکروں میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ نواب ابوالمنصور صفدر جنگ کی سرکار میں ملازم تھے۔ اور سادہ زبان میں فارسی اشعار کہتے تھے۔ ان کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چناں جشنی از تو بمردم گماشت
کہ چرخ از مہ و مہر نوبت گذاشت

منادی ز سلطان عیش است علم
کہ ہر کس دریں بزم با احترام
شراب طرب را نداند حلال
چو طنبورہ یابد زما گوشمال

چناں دیگ انعام آمد بجوش
کہ شد اطلس چرخ یک تورہ پوش(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۲۶

(۹۴) میر نورالدین نوؔید

میر نورالدین نام اور تخلص نوؔید تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں امیر خان انجاؔم کے ہمراہ گزر بسر کرتے تھے۔ لیکن کچھ عرصے بعد نواب شجاع الدولہ کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

آنکہ بخشد بہ بتاں خوبی و رعنائی را
می برد از دل ما صبر و شکیبائی را(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص ۲۲۶

(۹۵) میرزا محمد زمان وارؔد

میرزا محمد زمان نام اور تخلص وارؔد تھا۔ان کے آبا و اجداد ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ وارؔد دہلی میں پیدا ہوئے۔شروع شروع میں اسحٰق خاں بہادر کے ساتھ رہے۔لیکن ان کی وفات کے بعد لکھنؤ آ گئے اور نواب شجاع الدولہ کے یہاں ملازمت اختیار کر لی۔ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ہر لحظہ نظر بردگری دوختہ وارد
ایں دیدہ چہ با جان من سوختہ وارد(۱)

(۱) سفینۂ ہندی، ص۲۳۴

(۹۶) میر نور علی واصلی

میر نور علی نام اور واصلیؔ تخلص تھا۔ شعر و شاعری سے خاص شغف تھا۔ میرزا فاخر مکینؔ اس وقت لکھنؤ میں تھے۔ واصلی نے ''دیوان فغانیؔ'' مکینؔ کے سامنے پڑھا اور شاگردی اختیار کی۔ ان کے عمدہ اور فصیح اشعار فارسی ادب کے سرمایہ میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ محمد جعفر خان راغبؔ کے رفیقوں میں سے تھے۔ اور آخر عمر میں خان موصوف کے ساتھ عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے تھے۔ وہیں وفات بھی پائی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

دیگراں را وصل و حرمان شد نصیب واصلی
ای فلک از کجرویہای تو صد فریاد و آہ(۱)

واصلی گاہ بوصلت نر سید و جان داد
بادۂ نا خوردہ کشید آہ عجب رنج خمار

رباعی کا ایک نمونہ:

ای واصلی از جہانِ فانی رفتی
محروم ز وصل جانی رفتی
دردا کہ نخل زندگانی ثمری
ناخوردہ بموسمی جوانی رفتی(۲)

---

(۱) یار جانی، سفینۂ ہندی، ص ۲۳۶

(۲) بموسم جوانی، تصحیح در ''سفینۂ ہندی''

(۹۷) علی قلی خاں والہؔ داغستانی

علی قلی خاں نام اور تخلص والہؔ تھا۔ ان کا خاندانی تعلق سلاطین داغستان سے تھا۔ والہؔ کی پیدائش ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں اصفہان میں ہوئی، اور وہیں اپنے باپ محمد علی خان کی زیر سرپرستی تعلیم و تربیت حاصل کی۔

والہؔ کی نوجوانی کے عہد میں اصفہان کے سیاسی حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ محمود خاں افغان نے قندھار سے آکر اصفہان کا محاصرہ کر کے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ ملک کے اندرونی حالات خراب ہوتے گئے۔ علی قلی خان ان دنوں شاہ طہماسپ کے یہاں تھے۔ اس دوران ۱۱۴۴ھ (۱۷۳۱ء) میں نادر شاہ کا حملہ ہوا اور اس نے شاہ طہماسپ کو معطل کر کے سلطنت کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

نادر شاہ کے اصفہان پر تسلط کے بعد والہ ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم ہو گئے۔ نواب برہان الملک و روشن الدولہ اور حکیم معصوم علی خاں کی وساطت سے محمد شاہ کے دربار میں ملازمت حاصل کی۔ چہار ہزاری منصب کے ساتھ دو ہزار سوار و خلعت و جاگیر اور خدمت میر توزک سے سرفراز ہوئے۔ تذکرۂ نشتر عشق میں ہے:

''......او در دہلی رحل اقامت افگند و علو مزاج او کار کرد و درجات امارت پیمود و بہ وساطت روشن الدولہ و خط سفارش برہان الملک سعادت خان نیشاپوری ناظم صوبۂ

اودھ شرف ملازمت فردوس آرام گاہ محمد شاہ دریافت و بہ منصب چہار ہزاری وخطاب
ظفر جنگ امتیاز یافت ومیر توزک دوم شد و درعہد احمد شاہ خلف فردوس آرام گاہ شمس
ہزاری وبخطاب خان زمان بہادر مخاطب گردید.....'' (۱)

۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) میں نواب صفدر جنگ کے ہمراہ والہؔ بھی دہلی سے اودھ آ گئے اور نواب کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ لیکن دہلی میں جس وقت عالمگیر ثانی (۱۱۶۷ھ-۱۱۷۲ھ/ ۵۹-۱۷۵۴ء) تخت سلطنت پر متمکن ہوئے اودھ میں اس زمانے میں نواب صفدر جنگ نے انتقال کیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹے نواب شجاع الدولہ تخت نشین ہوئے تھے۔ والہؔ اس زمانے میں اودھ سے دہلی آ گئے۔ اور یہاں عماد الملک وزیر بن امیر الامراء فیروز جنگ کے توسط سے ہفت ہزاری منصب پر فائز ہو گئے۔

والہؔ کی وفات دہلی میں ہوئی اور وہ یہیں دفن کیے گئے۔ نشتر عشق میں ان کی وفات سے متعلق یہ تفصیل ملتی ہے:

''والہ در ہندوستان بصدر امارت بسری بردتا آنکہ در شاہجہاں آباد سنہ سبعین ومائتہ
والف ودیعت حیات سپرد انتہی......وفات آن مرحوم بعارضہ حبس البول بود'' (۲)

''سفینۂ ہندی'' سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:

''علی قلی والہ در ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۵۷ء فوت شد'' (۳)

والہؔ طبعاً بڑے سخی اور رحم دل انسان تھے۔ مذہب امامیہ کے پیرو تھے۔ لیکن کسی دوسرے عقیدہ کے لوگوں سے انھیں کوئی تنفر نہ تھا۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ ان کے اشعار نہایت عمدہ اور دردانگیز ہیں۔

دراصل انھیں کم سنی سے ہی اپنے چچا کی لڑکی سے بے حد عشق تھا۔ لیکن ان کے ملک میں افاغنہ ہنگامہ برپا تھا۔ جس کی وجہ سے انھیں اپنے عشق میں کامیابی نہ مل سکی۔ جب تک ہندوستان میں رہے عشق کا سودا سر پر سوار رہا۔ ان کے لاتعداد اشعار اور طویل مثنویاں

محبوب کے فراق میں کہی گئی ہیں۔

والہؔ کے علمی کارناموں میں شعراء کا ایک تذکرہ بعنوان ''ریاض الشعراء'' ہے۔ تذکرے کے آخر میں اپنے حالات لکھے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے کلام کا دیوان ہے جسے میر شمس الدین فقیرؔ نے ترتیب دیا تھا۔اس دیوان میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں۔

والہؔ کا شمار فارسی کے بڑے اور مشہور و معروف شعراء میں ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں اس عہد کے ممتاز اور معروف شاعر اور نثار سراج الدین علی خاں آرزوؔ لکھتے ہیں:

''چو درد عشق کہ مبدا معرفت ولب لباب دنیا وآخرت است مستہلک ومنہمک است تمام دیوانش از وقایع عشق واسرار عرفان مملواست در آشنا دوستی و جانبداری واخلاص یکہ روزگار است و در میدان شجاعت ودلاوری بی ہمتا شہسوار۔'' (۴)

''سفینۂ خوشگو'' میں انھیں شیخ محمد علی حزیںؔ کا شاگرد بتایا گیا ہے۔

''مرید وشاگرد شیخ محمد علی حزیںؔ ہم براہ شیخ می رود۔'' (۵)

اشعار کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔اس میں شاعر نے ہجر و فراق کا ذکر کس خوبی سے کیا ہے:

گریہ ہا در آستیں داریم و خندانیم ما
محفل ایام را شمع فروزانیم ما
فکر زلفی میزند جمعیت ما را بہم
روزگاری شد کزیں سودا پریشانیم ما

گردوں قدح ز خون جگر میدہد مرا
جامی نخورد ہ جام دگر میدہد مرا
آمد پرسش من دلخستہ با رقیب
ایں زندگی ز مرگ خبر میدہد مرا

محبوب کا ذکر:

بنام خویشتن عاشق از انم
کہ روزی بر زبان او گذشتہ است

جانان بسر مزارم آمد
آخر مردن بکارم ما
زاں شکر لب ز قصہ شیریں
نمکیں تر فسانۂ دارم

خیزید ز راہ من کہ عاشق شدہ ام
ترسیدہ ز آہ من کہ عاشق شدہ ام
در دوزخ ہجر می گدازم شب و روز
این است گناہ من کہ عاشق شدہ ام

ہرجا کہ رسم حکایت از دوست کنم
صد جور و جفا روایت از دوست کنم
دشمن نکند آنچہ بمن کردست او
معذورم اگر شکایت از دوست کنم

والہ ز فراق روی جاناں مردم
در ہند غریب و زار و حیران مردم

رخش مہر ھستیم اس نگذاشتہ
دارم سلطان خدیجہ غم از مردم

(۱) تذکرہ نشترعشق، جلد۵: حسین قلی خاں عظیم آبادی، ص۱۶۷۰

(۲) تذکرۂ نشترعشق، جلد۵: ص۱۶۷۱

(۳) سفینۂ ہندی: بھگوان داس ہندی، ص۲۷۷

(۴) مجمع النفائس: سراج الدین علی خاں آرزو، ص۸۷

(۵) سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو، ص۳۹۳

(۹۸)لالہ شیو کمار وفاؔ

شیو کمار نام اور وفاؔ تخلص تھا۔ کایستھ خاندان سے تھے اور قصبہ کٹرہ کے رہنے والے تھے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کا ذوق شاعری بہت بلند تھا۔ میر تقی میرؔ سے شاگردی حاصل کی تھی۔ ان کا زمانہ میرؔ وسوداؔ کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کے بہت سے مشاعروں میں وفاؔ نے شرکت بھی کی تھی (۱) اور اچھی غزلیں لکھی تھیں۔

وفاؔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں وقائع نگاری کے عہدے پر سرفراز تھے۔ وہاں سے انھیں ''راجہ'' کا خطاب حاصل ہوا تھا۔ مزید حالات کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ سنہ وفات ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) بتایا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں محمد واصل عثمانی لکھتے ہیں:

> ''راجہ صاحب بڑے حسین وجمیل وجیہہ شکیل......اسلامی تہذیب کے دلدادہ تھے اس خاندان میں اب کٹرہ میں کوئی نہیں......'' (۲)

---

(۱) سخنوروان قصبہ کٹرا: محمد واصل عثمانی، ص ۴۲۲

(۲) ایضاً

(۹۹) میر محمد علی وہمؔ

محمد علی نام اور تخلص وہمؔ تھا۔ میر محمد تقی خیالؔ کے بیٹے تھے۔ یہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور فارسی میں میرزا فاخر مکینؔ کے شاگرد تھے۔(۱)

تذکروں کے مطابق وہمؔ نواب آصف الدولہ کے ملازموں میں شامل تھے۔ میر قدرت اللہ قاسمؔ لکھتے ہیں:

''میر محمد علی نبیرۂ میر محمد تقی خیالؔ شاعر فارسی گو تخلص میکند ولی از سکنۂ بلدۂ لکھنؤ واز ملازمان سرکار دولت مدار و وزیر الممالک است.....''(۲)

عبدالغفور نساخؔ کا بیان ہے:

''وہمؔ تخلص میر محمد علی خلف میر محمد تقی خیال صاحب بوستان خیال مقیم لکھنؤ ملازم سرکار آصف الدولہ بہادر۔''(۳)

۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) تک باحیات تھے۔ تذکروں میں ان کا فارسی کلام نظر نہیں آتا۔

---

(۱) مجموعۂ نغز، جلد۲: ص ۳۱۳

(۲) مجموعہ نغز، جلد۲، ص ۳۱۳

(۳) سخن شعراء، ص ۵۵۸

(۱۰۰) سید محمد یوسف بلگرامی

سید محمد یوسفؔ بلگرامی بن سید محمد اشرف حسینی واسطی بلگرامی سید عبدالجلیل کے نواسے اور مولانا آزاد بلگرامی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ علوم عقلی و نقلی کے جامع عالم تھے۔ اودھ کے مردم خیز قصبہ بلگرام میں یکم شوال ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۵ء) میں پیدائش ہوئی۔ آپ نے علوم درسی سید علی محمد ریاضیہ اور میر طفیل محمد بلگرامی دہلی سے پڑھیں۔ سید لطف اللہ سے بیعت ہوئے۔ موزوں طبع بھی تھے۔ فارسی و عربی میں اشعار کہتے تھے۔ ان کی تصنیفات بیشتر عربی زبان میں ہیں۔ مشہورترین ''الفرع النابت من الاصل الثابت'' (۱) ہے۔ ۱۷۵۹ء میں انتقال ہوا۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

زجام مھر بود ھمچو بدرستی ما
بقدر وصل شود محو یار ھستی ما
برنگ نقش نگین از فروتنی آخر
چہ نامھا کہ بر آوردہ است پستی ما
ز طرف دامن پاک تو کامیاب نشد
بخواب ھمچو زلیخا دراز دستی ما

ھمیں کہ چشم کشودیم صبح چون شبنم
ز آفتاب رخت باخت ھستی ما
دلم ز عرض تحمل ملول شد یوسف
غبار آئینہ گردید خود پرستی ما

رباعی کاایک نمونہ:

ای در چمن پیمبران تازہ گلی
در محفل ساکنان لاھوت مُلی
یوسف نتواند کہ کند لغت ترا
آغاز دو عالمی و ختمِ رُسلی

از تواضع رتبۂ صاحب کلاھی یافتم
یوسفم از بندگی اقبال شاھی یافتم
تا تغافل کرد دیدم سیر آن طنار را
التفات چشم او درگم نگاھی یافتم
دیدہ ام دریای شور عشق را ساحل نداشت
کشتی خود را درین دریا تباھی یافتم
نامۂ اعمال خود یک عمر یوسف خواندہ ام
حرف انجامش ھمیں لطف الٰہی یافتم

---

(۱) بلگرام کے فارسی شعراء،ص۱۲۴

(۲) مآثرالکرام:ص۹۸-۲۹۶،وتذکرۂ علماے ہند:ص۸۴-۴۸۳

کتابیات

(الف)

۱- آ ثارمشرق: ابراہیم عمادی، مطبوعہ لبرٹی آرٹ پریس، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۹۸۹ء

۲- آئینہ اودھ: شاہ سید محمد ابوالحسن، مطبوعہ مطبع نظامی، کانپور، ۱۸۸۷ء

۳- احسن التواریخ: منشی رام سہائے تمنا، مرتب: ڈاکٹر ذکی کاکوروی، مطبوعہ ندائے حق پریس لکھنؤ، ۱۹۸۸ء

۴- احوال وآ ثار سراج الدین علی خاں آرزو: ڈاکٹر ریحانہ خاتون، مطبوعہ انڈو پرشین سوسائٹی، دہلی، ۱۹۸۷ء

۵- ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ: ڈاکٹر سید عبداللہ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۴۲ء

۶- اردو شاعری کے ارتقاء میں ہندو شعراء کا حصہ: گنپت سہائے سریواستو، اسرار کریمی پریس، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

۷- اودھ کے فارسی گوشعراء: ڈاکٹر زہرہ فاروقی، فائن آفسیٹ ورکس، 4152، اردو بازاد، دہلی، ۲۰۰۳ء

۸- اودھ میں اردو مرثیہ: ڈاکٹر ریاض الہاشم، ۲۰۱۳ء

۹- اے کریٹیکل اسٹڈی آف پرشین ورکس آف مرزا سلامت علی دبیر: ڈاکٹر یاسر عباس، ۲۰۱۷ء
۱۰- باغی معانی (تذکرہ شعرائے فارسی): نقش علی، تصحیح و ترتیب عابد رضا بیدار، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی (طبع دوم)، ۱۹۹۲ء
۱۱- بلگرام کے فارسی شعراء: امان اللہ انصاری، مطبوعہ بہار لیتھو پریس، سبزی باغ، پٹنہ، ۱۹۹۲ء
۱۲- بہار بے خزاں: احمد حسین سحر، (تصحیح: ڈاکٹر نعیم احمد)، مطبوعہ مطبع کوہ نور پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۶۸ء
۱۳- بہارستان اودھ (اردو ترجمہ بوستان اودھ): مترجم: عاشق عبداللہ، دہلی فیضی پریس
۱۴- بوستان اودھ: راجہ درگا پرشاد مہر، مطبوعہ مطبع دبدبہ احمدی، لکھنؤ، ۱۸۹۲ء
۱۵- تاجدار اودھ: امجد علی خاں، مطبوعہ صفدر الواعظ پریس لکھنؤ، امین آباد، ۱۹۷۶ء
۱۶- تاریخ اودھ، (جلد اول تا پنجم): نجم الغنی خان، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ، ۱۹۱۹ء
۱۷- تاریخ اودھ (دو جلد): کمال الدین حیدر زائر، مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۸۹۶ء
(الف) سوانحات سلاطین اودھ
(ب) قیصر التواریخ
۱۸- تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ: امجد علی خاں، مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ، ۱۹۷۸ء
۱۹- تاریخ فرخ سیر و اوائل محمد شاہ: شیو داس لکھنوی، مرتبہ: سید حسن عسکری، مطبوعہ لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ، ۱۹۷۴ء
۲۰- تاریخ فرح بخش (اردو ترجمہ): محمد فیض بخش کاکوروی، مترجم سید حامد حسین، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات لاہور، ۱۹۷۵ء
۲۱- تاریخ لکھنؤ: سید آغا مہدی، مطبوعہ جمعیت خدام عزا، کراچی، ۱۹۷۶ء
۲۲- تاریخ لکھنؤ: محمد باقر شمس لکھنوی، مطبوعہ عکس لطیف، دار التصنیف کراچی،
۲۳- تذکرۃ الشعراء (تذکرۂ ہندی): غلام ہمدانی مصحفی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء

۲۴- تذکرہ بہارسخن: برق سیتاپوری، مطبوعہ لیبل لیتھو پریس، سیتاپور، پٹنہ، ۱۹۲۲ء
۲۵- تذکرہ بہارگلشن: برج کشورکول، مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۳۲ء
۲۶- تذکرہ بے بہا: محمد حسین نوگانوی، مطبوعہ جید برقی پریس، بلیماران دہلی
۲۷- تذکرہ روزِ روشن: مظفرحسین صبا گوپامئوی، مطبوعہ مطبع شاہجہانی، بھوپال، ۱۲۹۷ھ
۲۸- تذکرہ ریاض العارفین: آفتاب رائے لکھنوی (تصحیح ومقدمہ: سید حسام الدین راشدی)، مطبوعہ انتشارات مرکز، تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۶ء
۲۹- تذکرہ صبح گلشن: سید محمد صدیقی حسن خاں، مطبوعہ مطبع شاہجہانی، بھوپال، ۱۸۷۸ء
۳۰- تذکرہ علمائے فرنگی محل: محمد عنایت اللہ انصاری، مطبوعہ اشاعت العلوم برقی پریس لکھنؤ، ۱۹۳۰ء
۳۱- تذکرہ علمائے ہند: رحمان علی، مطبوعہ منشی نولکشور، لکھنؤ (طبع دوم)، ۱۹۱۵ء
۳۲- تذکرہ مشاہیر کاکوری: محمد علی حیدر
۳۳- چمنستان شعراء: لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۸ء
۳۴- خزانۂ عامرہ: غلام علی آزاد بلگرامی، مطبوعہ نولکشور پریس، کانپور، ۱۸۷۱ء
۳۵- دیوان موہن لعل انیس: ڈاکٹر فرحینہ، نیو پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۳۶- ریاض الفصحاء: غلام ہمدانی مصحفی، مطبوعہ جامع برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۴ء
۳۷- سخن شعراء: عبدالغفور نساخ، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ۱۸۷۴ء
۳۸- سخنوران کاکوروی: حکیم نثار احمد علوی، مطبوعہ شوکت علی پرنٹرز، کراچی، ۱۹۷۸ء
۳۹- سراپا سخن (تذکرۃ الشعراء): محسن علی محسن، مطبوعہ نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۸۹۰ء
۴۰- سروآزاد: غلام علی آزاد بلگرامی (مرتبہ: عماد الملک سید حسن بلگرامی)، مطبوعہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۱۳ء
۴۱- سفینۂ خوشگو (جلد ۳): بندرابن داس خوشگو، مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکووی، مطبوعہ عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ پٹنہ، ۱۹۵۹ء

۴۲- سفینۂ ہندی: بھگوان داس ہندی، عربک اینڈ پریشین انسٹی ٹیوٹ پٹنہ، ۱۹۵۹ء
۴۳- سیئر المتاخرین: مولوی غلام حسین طباطبائی، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ، ۱۸۹۴ء
۴۴- شاہیۂ نیشاپوریہ، معروف بہ تاریخ اودھ: قاسم علی (ترجمہ وترتیب شاہ عبدالسلام)، مطبوعہ لبرٹی آرٹ پریس، دہلی، ۱۹۹۰ء، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵
۴۵- شباب لکھنؤ: مترجم: محمد احد علی، مطبوعہ ناظر پریس، لکھنؤ، ۱۹۱۲ء
۴۶- طبقات الشعراء: قدرت اللہ شوق (مرتبہ: نثار احمد فاروقی)، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء
۴۷- عربی ادب میں اودھ کا حصہ: مسعود انور علوی کاکوروی، مطبوعہ فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ
۴۸- عقد ثریا: غلام ہمدانی مصحفی (مرتبہ: عبدالحق)، مطبوعہ جامع برقی پریس، دہلی، ۱۹۸۴ء
۴۹- عمادالسعادت غلام علی رائے بریلوی: مطبوعہ نولکشور پریس، لکھنؤ، ۱۸۶۴ء
۵۰- فقہاے پاک و ہند (جلد۳): محمد اسحٰق بھٹی
۵۱- گزشتہ لکھنؤ: عبدالحلیم شرر لکھنوی، مطبوعہ نسیم بک ڈپو، لکھنؤ
۵۲- گلستان بے خزاں: قطب الدین باطن، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
۵۳- گلستان سخن: مرزا قادر بخش صابر، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
۵۴- گلشن بے خار: نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۳۴ء
۵۵- گلشن سخن (تذکرہ شعرائے اردو): مبتلا لکھنوی (مرتبہ مسعود حسن رضوی)، مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۶۵ء
۵۶- گلشن ہمیشہ بہار: نصر اللہ خاں خویشگی (مرتبہ اسلم فرخی کراچی)، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۷ء
۵۷- گلشن ہند: مرزا علی لطف، مطبوعہ دارالاشاعت، نولکشور لکھنؤ، ۱۹۰۶ء
۵۸- گلشن ہند: سید حیدر بخش حیدری، مرتبہ مختارالدین احمد، مطبوعہ کوہ نور پریس، دہلی، ۱۹۶۷ء

۵۹- مآثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی، مطبوعہ مفید عام پریس، آگرہ ۱۹۱۰ء
۶۰- مجمع النفائس (ملخص و قلمی نسخہ): سراج الدین علی خاں آرزو، تصحیح و ترتیب: عابد رضا بیدار، مطبوعہ کتب خانہ خدا بخش پٹنہ، ۱۲۰۰ھ
۶۱- نزہتہ الخواطر: شریف عبدالحیٔ بن فخرالدین حسینی، مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۹۵۹ء
۶۲- نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان: نریندر بہادر سریواستو، مطبوعہ ناظم پریس رامپور، ۱۹۷۹ء
۶۳- واجد علی شاہ: محمد تقی احمد، مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ (طبع دوم)، ۱۹۵۷ء
۶۴- واجد علی شاہ (سلطان عالم): مسعود حسن رضوی ادیب، مطبوعہ آل انڈیا میرا کادمی لکھنؤ، ۱۹۷۷ء
۶۵- واجد علی شاہ اوران کا عہد: رئیس احمد جعفری، مطبوعہ کتاب منزل، لاہور، ۱۹۵۷ء

English Books

1. Awadh in Revolt 1857-1858: Rudrangshu Mukherjee, Oxford University Press, 1984.
2. British Relations with Oudh 1801-1856: D.P. Sinha, K.P. Bagchi & Company, Calcutta-700012, Delhi -110019, 1983
3. British Aggression in Avadh: Edited with an Introduction by Safi Ahmad with a Foreword by Prof. Mohammad Habib. Meenakshi Prakation, Meerut, 1969.
4. Encyclopedia Britannica Vol. 1 & 7
5. Encyclopedia Americana Vol. 17
6. Gazetteer of Oudh, Vol. 1, 2, 3.
7. History of Asafud Daula: Begging a Translation of "Tafzihul Ghafileen" Complied by Abu Talib, Translated from Orignial Persian by W.Hoey, Pustak Kendra Hazrat Ganj, Lucknow, 1974.
8. Journey through the Kingdom of Oudh: Sir William Henry Sleeman in 1849-1850, Vol.1, Helicon Publication Lucknow, 1858, 2nd Edition, 1989.
9. Sleeman in Oudh: P.D. Reeves, A Journey through the

Kingdom of Oudh in 1849-1850. Cambridge University Press in Association with Blackie 1971 (India)

10. The First Tow Nawabs of Awadh: Ashribadi Lal Srivastava, 1st Edition 1933, 2nd Edition 1954, Dharam Chand Bhargava, At the Amrit Electric Press, Belanganj Bheron, Agra.

11. The Mutinies in Oud: M.R. Gubbins Janki Prakashan, Patna. 1858, 1st Reprint 1978.

12. The Raj, The Indian Mutiny and The Kingdom of Oudh 1801-1859, John Pemble, The Harvester Press, University of Leicester, 1977.

رسائل

(ب)

۱-	دبیر، شمارہ ۳، کاکوری
۲-	ماہنامہ نیا دور، لکھنؤ (مارچ، اپریل) ۱۹۹۳ء
۳-	ماہنامہ نیا دور (اودھ نمبر) لکھنؤ، (فروری، مارچ) ۱۹۹۴ء

مائیکروفلم

(ج)

نمبرشمار	نام نسخہ	شمارۂ مائیکروفلم	کتابخانہ	ادارۂ فلم
۱-	برہان اودھ	۵۴/۳	مسلم یونیورسٹی علیگڑھ	مرکزمیکروفلم نورخانۂ فرہنگ، ج ا، ایران، نئی دہلی
۲-	برہان اودھ	۱/۷۷	〃	〃
۳-	تاریخ فرح بخش	۱/۶۸	〃	〃
۴-	تاریخ فرخ آباد	۳۲۹/۳	〃	〃
۵-	تذکرہ ریاض الشعراء	۴۰۸/۳	〃	〃
۶-	تذکرہ ید بیضا (جزء اول)	۷۳/۳	〃	〃
۷-	چہار گلشن	۳۵۱/۲	〃	〃
۸-	دریای لطافت	۵۸۲/۱	〃	〃
۹-	دیوان آزاد	۱۷۸/۳	〃	〃
۱۰-	دیوان سخنور	۳۵۶/۵	〃	〃
۱۱-	شرح گل کشتی	۳۶۰/۱۰	〃	〃
۱۲-	تاریخ فرح بخش	۴۴/۱	〃	〃
۱۳-	گل رعنا	۸۴/۲	〃	〃
۱۴-	مجموعہ خطوط نواب وزیر اودھ	۸۲/۷	〃	〃
۱۵-	مکتوبات واجد علی شاہ بہ گورنر جنرل	۳۳/۱	〃	〃

نصابِ تصوف

ابوالحسن علی ہجویری کی تصنیف ''کشف المحجوب'' بحثیت نصاب تصوف جو چوتھی، پانچویں صدی کے مشہور بزرگ صوفی تھے اور غالبًا شمالی ہند میں آنے والے پہلے صوفی ہیں جنھوں نے سلطان محمود غزنوی کی سپاہ کے ساتھ ہندوستان آکر اسلام کی روشنی میں اپنی تعلیمات سے ہندوستان کو منور کیا...... ہندوستان میں تصوف کے موضوع پر فارسی میں لکھی جانے والی پہلی کتاب کشف المحجوب ہے یہ کتاب مشائخ صوفیہ کے حالات، عقائد اور مقامات پر نہایت فصیح فارسی میں لکھی گئی ہے۔

ڈاکٹر زہرہ خاتون نے نہایت جانفشانی اور دیدہ ریزی کے ساتھ کشف المحجوب اور دوسری متعلقہ کتابوں کا عمیق مطالعہ کرکے یہ نہایت مفید کتاب اردو میں تصنیف کی ہے جو بلاشبہ کشف المحجوب کے سربستہ اسرار و رموز سے آشنا کراتی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب تصوف سے دلچسپی رکھنے اور اس سے متعلقات کی تفصیل جاننے والوں کے علم میں اضافہ ثابت ہوگی اور ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ادریس احمد

استاد بازنشستہ

شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

☆صفحات: 112

☆ قیمت:-/200 روپئے